

مقبلاً
سید السمر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

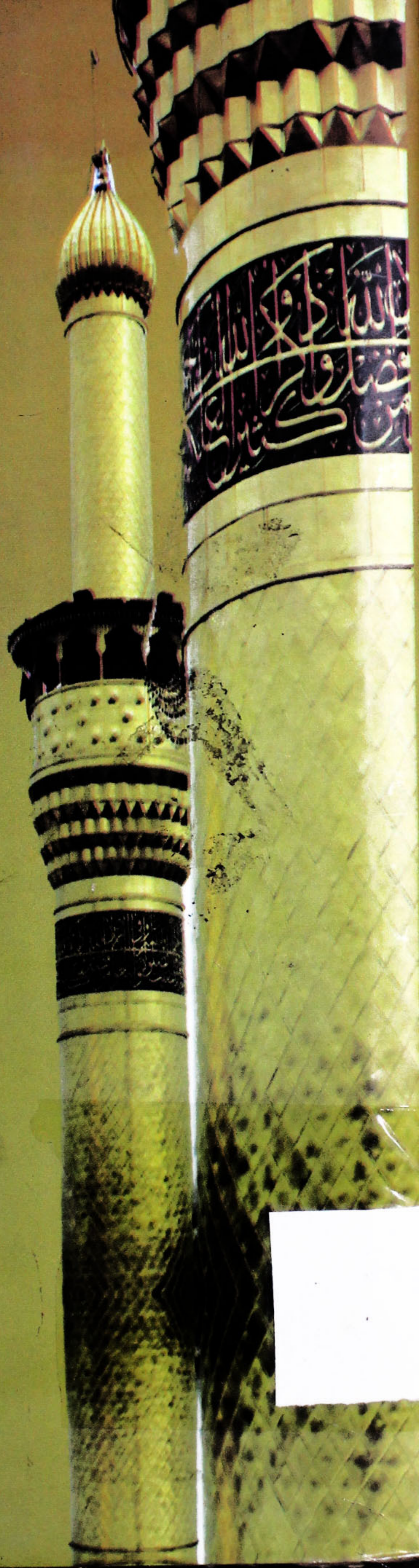
مع

مثنوی شکرگون قبا

از تصنیف

صاحبزادہ پیر الیاس بن احمد ضوی

کتاب محل



قُبَّانَا سَمِيْدُ السُّحْرِ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

مع

مثنوی پند گلگون قبا

اَرْتَضِيْنَا

صاحبزادہ پیر الہ اسحاق ضوی

کتاب محل

297.931
ح 51
141524
ر

نام کتاب : مقیبات السیف

آقصنیفا : صاحبزادہ پیر الہ اسحاق مدنی

سن طباعت : ۲۰۱۸ء

قیمت : 250

کتاب میل

نئی و پرانی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتب کا مرکز

اپنی کتابیں پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ فرمائیں
مسودہ دیں تیار کتاب لیں

0300-4827500, 0321-8836932

0348-4078844, 0311-7004893

در بار مارکیٹ لاہور

انتساب

ہر اُس شخص

کے نام

جو اہل بیت اور صحابہ کرام

(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

کی محبت سے سرشار ہے۔

مفتی محمد رفیع

فہرست مندرجات

۵	صاحبزادہ پیر محمد اکرام علوی قادری	تقریظ
	کتابِ اول: مناقبِ سید الشہداء	
	تمہید	
۷	ولادت، نام، کنیت، القاب، حلیہ	فصل (۱)
۸	تعلیم و تربیت	فصل (۲)
۹	اخلاق و شمائل	فصل (۳)
۱۱	فضائل و مناقب	فصل (۴)
۱۴	کلام امام: اشعار و اقوال	فصل (۵)
۲۰	اولاد و عظام	فصل (۶)
۲۳	اسباب شہادت اور شہادت	فصل (۷)
۲۵	واقعات بعد شہادت	فصل (۸)
۸۸	تجہیز و تکفین اور تدفین	فصل (۹)
۹۷	خاتمہ	
۹۸	کتاب دوم: مثنوی شہ گلوں قبا	
	ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی	تعارف و تاثرات
۱۰۱	آغاز مثنوی	
۱۱۵		

تقریظ

از پیر طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ ابوالحامد
 پیر محمد اکرام علوی قادری حفظہ اللہ تعالیٰ
 آستانہ عالیہ ریاض آباد شریف، نیوٹاؤن، انٹک، پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام

على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين، اما بعد:

زیر نظر کتاب ”مناقب سید الشهداء“ (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

برادر عزیز صاحبزادہ پیر ابوالحسن واحد رضوی حفظہ اللہ کی ایک مختصر مگر جامع

تصنیف ہے۔ ”برادرم“ نے کتاب کو اول تا آخر بہت ہی خوبصورت انداز میں

مرتب کیا ہے۔ جس پر وہ بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مندرجات کتاب میں ایک حصہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے

سوانح اور فضائل و مناقب پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے حصے میں اسباب شہادت اور واقعات شہادت کو بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اہل محبت، مختصر وقت میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی سوانح اور واقعات شہادت کا مطالعہ کر سکیں۔ فقیر سمجھتا ہے کہ جہاں بڑی بڑی کتابوں کی اپنی افادیت ہے وہاں مختصر کتابوں کی نفع رسانی بھی کچھ کم نہیں۔ بلکہ آج کے مصروف ترین دور میں ایسی مختصر کتابوں کی ضرورت، پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر موضوع پر، ضخیم کتابوں کے ساتھ ساتھ مختصر مگر جامع کتابیں بھی تصنیف کی جائیں۔ تاکہ نسل نو، زیادہ سے زیادہ اپنی تاریخ اور اسلاف سے روشناس ہو سکے۔ اور اپنی زندگیوں کو ان کی تعلیمات کے مطابق، بسر کر سکے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ برادر عزیز کی اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اہل اسلام کو اس کتاب سے نفع پہنچائے۔ واللہ ولی التوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

دعا گو و دعا جو

فقیر ابو الحامد محمد اکرام علوی قادری

کتابِ اوّل

مناقبِ سیّد الشّہدا

(حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله مالك الكونين والصلوة والسلام على جدّ

الحسن والحسين سيّدنا محمّد وعلى آله وصحبه أجمعين، أمّا بعد:

زیر نظر کتاب: ”مناقبِ سید الشہداء“، حضرت امام عالی مقام، شہزادہ

گلگوں قبا، راکب دوش مصطفیٰ، جناب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر

سوانح، فضائل و مناقب اور بیانِ شہادت پر مشتمل ہے۔ مشمولاتِ کتاب میں

اختصار کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ اہل محبت، ایک یا دو نشستوں میں اس کا مطالعہ

کر سکیں۔

اہل علم و فن سے التماس ہے کہ اگر کتاب میں کہیں کوئی فرد گزاشت

ملاحظہ فرمائیں تو مصنف کو آگاہ کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح ہو

سکے۔ واسالہ سبحانہ ان يجعل عملی هذا خالصاً لوجهہ الکریم، وان ینفع بہ

إخوانی من اهل البوذة، إنه علی کل شیء قدير۔ والحمد لله رب العالمین

والصلوة علی سید المرسلین۔

فصل (۱)

ولادت، نام، کنیت، القاب اور حلیہ مبارکہ

سید الشهداء، سبط مصطفیٰ، حضرت امام عالی مقام، امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۵ شعبان المعظم ۴ھ بروز منگل مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر پڑھی اور منہ میں لعاب دہن شریف ڈالا۔ گویا پہلے دن سے ہی مے عرفان کا جام شیریں پلا کر لذت ایمان و ایقان سے سیراب فرما دیا۔ دودھ پلانے کا شرف، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ عالیہ حضرت ام الفضل بنت الحارث کو حاصل ہوا۔ ساتویں دن شہزادہ عالی وقار کا ایک گوسفند سے عقیقہ کیا گیا۔

امام عالی مقام کا نام: حسین اور کنیت: ابو عبد اللہ ہے۔ اور القاب بہت سے ہیں۔ جیسے: المبارک، الطیب، الرشید، سبط الرسول اور ریحانۃ الرسول وغیرہ۔
”حسین“ نام، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا نام تجویز فرمایا تھا۔ یہ نام، وحی الہی کے مطابق رکھے گئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان دونوں یعنی حسن اور حسین کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں شبر اور شبیر کے نام پر رکھے ہیں۔ (الصواعق المحرقة)

عمران بن سلیمان سے روایت ہے کہ حسن اور حسین اہل جنت کے ناموں سے دو نام ہیں جو کہ زمانہ جاہلیت میں نہ تھے۔ (الشرف المؤبد)
 حضرت مفضل سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین کے ناموں کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کے نام حسن اور حسین رکھے۔

حلیہ مبارکہ آپ کا یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سینہ سے قدم مبارک تک بالکل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ چہرہ، اس قدر حسین و جمیل تھا کہ جو زیارت کرتا آپ کا شیدا ہو جاتا۔

امام احمد نے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے فرمایا کہ حسن سینے سے لے کر سر تک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حسین اس سے نچلے حصے میں آپ سے مشابہت رکھتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۸)

فصل (۲)

تعلیم و تربیت

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی رفعتِ شان اور بلندیِ مرتبت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ نے آغوش رسالت میں تربیت پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جس انداز سے پروان چڑھایا وہ بلاشبہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہزادے کی ایسی تربیت فرمائی کہ ہر آنے والادن آپ کے اوج و عروج کی خبر دیتا رہا۔ یہ رسولی مکتب کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ پوری زندگی میں، آپ کا ہر

عمل، جداگانہ اور منفرد رہا۔ حسن صورت تو ودیعت تھا ہی، تعلیم و تربیت کے بعد، حسن سیرت میں بھی کوئی کمی نہ رہی۔ آپ بچپن ہی سے تمام اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے مزین ہو گئے۔ ہر ہر ادا ایسی کہ فرشتوں کو بھی رشک آئے۔

رسول کائنات ﷺ کی خصوصی تربیت کے علاوہ، مولیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیدہ کائنات خاتون جنت جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی صحبت نے آپ کو عقل و دانش اور فہم و فراست کا وہ نور عطا فرمایا کہ جس کی روشنی سے نہ صرف وہ خود مستنیر ہوئے بلکہ تاقیامت آنے والی نسل انسانی کو بھی اس روشنی سے منور فرما دیا۔ بلاشبہ آنے والا ہر دور، آپ کے انوارِ عرفان سے جگمگاتا رہے گا۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے شہزادگان کی تعلیم و تربیت میں خصوصی توجہ دی اور مختلف مواقع پر نصیحتیں فرمائیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرماتے ہوئے ایک موقع پر چند اشعار کہے۔ جن سے علوی تعلیم و تربیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اشعار کا مفہوم یہ ہے:

اے حسین! عقلمند وہی ہے جو ادب پذیر ہے۔ جو کچھ بھی طلب کرو حسن و خوبی سے طلب کرو! صرف مال و دولت کو اپنی کمائی نہ سمجھو! بلکہ خدا کے خوف اور اس کی خشیت کو اپنی کمائی جانو! یہ مال دولت تو آنے جانی والی چیز ہے۔ اور روزی اپنے وقت پر میسر ہو کر رہتی ہے۔ اے فرزند! بلاشبہ قرآن میں نصیحتیں ہیں۔ خوب ذوق و شوق اور حسن سعی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرو!

جو کچھ بیان کیا جائے اس کو کان لگا کر سناؤ! بلند و بلا معبود کی عبادت بھی
 اخلاص سے کرو! ہمیشہ رہنے والی خوبی اور کرامت سے اپنے آپ کو مزین کرو!
 اپنے دوست کے ساتھ نہایت لطف اور مہربانی سے پیش آؤ۔ اس کے
 ساتھ ایسے ہو جاؤ جیسے ایک باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے۔

فصل (۳)

اخلاق و شمائل

جو ہستی خانوادہ رسول کی چشم و چراغ ہو۔ جس کے شب و روز، رسول
 کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ دُربار میں گزرتے ہوں، اس کے اخلاق و شمائل کے
 حسن و رفعت کا بھلا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ بہت ہی
 رحم دل، کریم و سخی تھے۔ عادات و خصال میں بلا کی انفرادیت اور بلا کا جمال تھا۔
 سائل کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا اور بعض اوقات اپنا کھانا بھی اسے پیش کر
 دینا، آپ کا معمول تھا۔ خود فاقہ کر لیتے مگر سائل کو محروم تمنانہ کرتے۔

سخاوت و عنایت اور جو دو کرم میں آپ کی ذات بے مثال تھی۔ چنانچہ
 ایک بار آپ کی خدمت میں ایک بدوی آیا اور عرض کیا کہ میں نے آپ کے نانا
 جان سے سنا ہے کہ جب تم کسی حاجت کے خواستگار ہو، تو چار شخصوں میں سے
 ایک سے درخواست کرو! یا تو کسی شریف عربی سے، یا کسی شریف آقا سے، یا
 کسی حافظ قرآن سے، یا کسی پلح شخص سے، اور یہ چاروں صفات، آپ میں بدرجہ

تم پائی جاتی ہیں اس لیے کہ سارے عرب کو اگر شرافت ملی ہے تو آپ ہی کے گھرانے سے ملی ہے۔ اور سخاوت آپ کا جبلی وصف ہے۔ رہا قرآن تو تو وہ آپ ہی کے گھرا ترا ہے۔ اور ملاحت کے متعلق میں نے آپ کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم مجھے دیکھنا چاہو تو حسن و حسین کو دیکھ لو! بدوی کی یہ گفتگو سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نیکی بقدر معرفت ہوا کرتی ہے۔ میں تجھ سے تین مسئلے پوچھتا ہوں اگر تو نے ان میں سے ایک کا جواب دیا تو اس تھیلی کا تیسرا حصہ تیری نذر ہے۔ اور اگر دو کا جواب دیا تو دو حصے تیرے ہوں گے۔ اور اگر تینوں کا جواب دے دیا تو ساری تھیلی تیری نذر کر دوں گا۔ بدوی نے کہا کہ ارشاد فرمائیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ اس نے کہا خدا پر ایمان لانا۔ دوسرا سوال کہ بندہ کی ہلاکت سے نجات کس چیز سے ہے؟ انھوں نے جواب دیا خدا پر توکل کرنے میں۔ تیسرا سوال بندہ کو زینت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ انھوں نے جواب دیا علم سے جس کے ساتھ عمل و بردباری بھی ہو۔ اور اگر کسی شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں؟ تو انھوں نے کہا کہ اس کے پاس وہ مال ہونا چاہیے جس میں سخاوت ہو۔ آپ نے فرمایا اگر کسی کے پاس ایسا مال نہ ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ فقر، جس میں صبر ہونا چاہیے۔ اگر کسی میں ایسا فقر نہ ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ پھر اس کے لیے جلالنے والی بجلی چاہیے۔ ان جوابات سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور اس کو پوری تھیلی عطا کر دی۔ (نزہۃ، تذکرہ)

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی رحمدلی، شفقت اور درگزر کا اندازہ، اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ ایک روز آپ چند مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ غلام گرم گرم شوربے کا پیالہ دسترخوان پر لاتے ہوئے خوف سے کانپا جس کی وجہ سے شوربے کا پیالہ گر کر ٹوٹ گیا اور شوربہ آپ کے رخسار مبارک پر پڑ گیا آپ نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی تو اس نے نہایت عجز و ادب سے عرض کی: **والکاظمین الغیظ آپ نے فرمایا: کظبت غیظی میں نے اپنا غصہ پی لیا۔** غلام نے پھر کہا: **والعافین عن الناس آپ نے فرمایا: قد عفوت عنک میں نے تم کو معاف کر دیا۔** غلام نے پھر کہا **واللہ یحب المحسنین۔** آپ نے فرمایا: **انت حر لوجه اللہ میں نے تجھ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا ہے۔** (مسالک السالکین، تذکرہ)

صبر و تحمل میں شاید ہی کوئی آپ کا ثانی ہو۔ واقعہ کربلا اور اس سے پہلے کے مصائب کو ہی دیکھ لیجیے! کیا کیا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ مگر امام حسین کے پائے استقلال میں کہیں لغزش نہ آئی۔ ابتدا تا انتہا۔ تسلیم و رضا کا دامن تھامے رکھا۔ اس سے آپ کے صبر و تحمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اخلاق و شمائل میں شجاعت ایک منفرد خصلت ہے۔ اس حوالے سے بھی اگر دیکھا جائے تو امام عالی مقام، اپنی مثال نہیں رکھتے۔ ایک روز سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! ان دونوں شہزادوں کو کچھ عطا فرمائیے! تو آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

حسن کو تو میں نے اپنا علم اور اپنی لیت عطا کی اور حسین کو شجاعت اور اپنا کرم بخشا۔ (الامن والعلی)

فصل (۴)

مناقب و فضائل

(۱) حُسَيْنٌ مِثِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ -

ترجمہ: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔

(جامع ترمذی، ابواب المناقب)

(۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي زِيَادَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِ عَائِشَةَ فَمَرَّ عَلَى بَيْتِ فَاطِمَةَ فَسَمِعَ حُسَيْنًا يَبْكِي فَقَالَ أَلَمْ تَعْلَمِي أَنَّ بُكَاءَهُ يُؤْذِنُنِي -

ترجمہ: سیدنا زید بن ابی زیادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ سے گزر ہو امام حسین رضی اللہ عنہ کی رونے کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا: بیٹی کیا آپ کو معلوم نہیں! ان کا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔

(نور الابصار فی مناقب ال بیت النبی المختار)

(۳) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: الْحَسَنُ أَشْبَهُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عليه وآله وسلم مَا بَيْنَ الصُّدْرِ إِلَى الرَّأْسِ، وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهُهُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ - رَوَاهُ الزُّمَيْدِيُّ وَأَحْمَدُ - وَقَالَ أَبُو عَيْسَى : هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن سینہ سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل شبیہ تھی اور حضرت حسین سینہ سے نیچے تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل شبیہ تھی۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ. رَوَاهُ الزُّمَيْدِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَزَادَ : وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِنْهُمَا

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔“ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ اُن کے والد ان سے بہتر ہیں۔

(۵) عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : أَنَّ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَنَا وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ. قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمُجِبُّونَا؟ قَالَ : مِنْ وَرَائِكُمْ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ. وَقَالَ : هَذَا حَدِيثٌ

صَحِيحُ الْإِسْنَادِ-

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتایا کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں میں، میں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ خود)، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے محبت کرنے والے کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پیچھے پیچھے۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

(۶) عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ حَسَنًا وَحُسَيْنًا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ، إِنِّي أُحِبُّهُمَا، فَأُحِبُّهُمَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ أَبُو عِيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین علیہما السلام کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔“ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ -

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے حسن اور حسین علیہما السلام سے محبت کی، اس

نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی اور جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا اس نے مجھ ہی سے بغض رکھا۔“ اس حدیث کو امام ابن ماجہ، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(۸) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا ثُمَّ أَدْخَلَهُمْ تَحْتَ ثَوْبِهِ ثُمَّ قَالَ : اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي - رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ -

ترجمہ: ”ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو جمع فرما کر ان کو اپنی چادر میں لے لیا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(۹) عَنِ ابْنِ أَبِي نَعْمٍ قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَ سَأَلَهُ عَنِ الْمُحْرَمِ، قَالَ شُعْبَةَ : أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ، فَقَالَ : أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونَ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : هُمَا رِيحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَحْمَدُ -

ترجمہ: ”حضرت ابن ابونعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حالت احرام کے متعلق دریافت کیا۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں احرام باندھنے والے کا مکھی مارنے کے بارے میں پوچھا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل عراق مکھی مارنے کا حکم پوچھتے

ہیں حالانکہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے (امام حسین رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ دونوں (حسن و حسین علیہما السلام) ہی تو میرے گلشنِ دنیا کے دو پھول ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ هَذَا عَلَى عَاتِقِهِ، وَهَذَا عَلَى عَاتِقِهِ وَهُوَ يَلْتِمُ هَذَا مَرَّةً، وَيَلْتِمُ هَذَا مَرَّةً، حَتَّى انْتَهَى إِلَيْنَا، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ تُحِبُّهُمَا، فَقَالَ: مَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الْإِسْنَادِ. وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ: وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَفِي بَعْضِهِمْ خِلَافٌ۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کندھے پر امام حسن علیہ السلام اور دوسرے کندھے پر امام حسین علیہ السلام سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایک کو چومتے کبھی دوسرے کو چومتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آ کر رک گئے۔ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! یقیناً آپ ان سے (بے پناہ) محبت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور انہوں نے فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا: اس کے رجال ثقہ ہیں، بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔

(۱۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ: لَبَّأَنزَلَتْ: {قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى} (الشورى، ۲۳/ 42) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ قَرَابَتِكَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ: عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا - رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ -

ترجمہ: ”حضرت (عبداللہ) بن عباس علیہما السلام سے مروی ہے: جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: {قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى} فرما دیجیے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر (میری) قرابت (اور اللہ کی قربت) سے محبت (چاہتا ہوں)۔“ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی قرابت والے یہ لوگ کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (حسن اور حسین)۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے مذکورہ الفاظ سے روایت کیا ہے۔“

دیگر مناقب:

جہاں تک دیگر مناقب کا تعلق ہے جو ہر زمانے میں اہل علم، شعرا، ادبا اور اہل محبت نے تحریر کی ہیں، ان کا تو شمار ممکن ہی نہیں۔ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں آپ کے مختلف مناقب اور واقعات شہادت کو منفرد انداز سے تحریر کیا گیا

ہے۔ باقی زبانوں کے علاوہ بالخصوص عربی، فارسی اور اردو میں تو اس قدر ذخیرہ ہے کہ دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں نظم و نثر دونوں اصناف سخن کی کثرت و انفرادیت اپنے جلوے دکھاتی ہے۔ ایسے ایسے نامور قلم کاروں اور بلند پایہ شاعروں نے سخن سنجی کی ہے کہ اہل محبت پڑھ کر جھوم جاتے ہیں۔ خصوصاً مرثیے تو اتنے لکھے گئے کہ مرثیہ خود ایک جان دار صنف سخن بن گیا۔ اردو زبان میں مرزا دبیر اور میر انیس کے مرثیے اپنی مثال آپ ہیں۔

فصل (۵)

کلام امام (اشعار و اقوال)

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا کلام اقوال مبارکہ کے علاوہ، نظم میں بھی ہے۔ ہم یہاں آپ کے چند اشعار اور چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

درج ذیل اشعار، آپ نے اپنی زوجہ رباب بنت امرئ القیس الکلبی اور اپنی صاحبزادی سکینہ کے لیے کہے تھے جو رباب کے بطن سے ہیں:

لعبری انی لاحب ارضا
 تحل بها سکینة والرباب
 احبها و ابنل حل مالی
 و لیس لعاتب عندی عتاب
 فلست لهم وان غابوا مضیعا
 حیاتی او یغیبنی التراب

کان اللیل موصول بلیل

اذا زارت سکینة والرباب

ترجمہ: میں اس جگہ سے الفت رکھتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب ٹھہری ہوئی ہیں۔ مجھے ان دونوں سے محبت ہے۔ میں ان دونوں پر دولت کثیر خرچ کرتا ہوں۔ اور کسی عاتب کے عتاب کی پرواہ نہیں کرتا۔ گو وہ یہاں موجود نہیں ہیں لیکن میں ان کی غور و پرداخت سے بے خبر نہیں رہوں گا، میں جب تک زندہ ہوں اور مٹی مجھے چھپا نہیں لیتی۔ جب سکینہ اور رباب اپنے اقارب سے ملنے گئی ہوں تو رات ایسی لمبی نظر آتی ہے گویا ایک رات کے ساتھ دوسری رات، مل گئی ہو۔

ان اشعار سے جہاں آپ کے پختہ شاعر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے وہیں مضامین کے اعتبار سے، انفرادیت کا بھی۔ پھر خانوادہ کے ساتھ محبت و الفت، اور خلوص و اخلاص کی ایک منفرد دنیا، ان اشعار میں اپنا روئے زیاد کھاتی نظر آتی ہے۔

نثری کلام یعنی اقوال مبارکہ بھی حکمت و دانش سے بھرپور اور نور حکمت سے مستنیر ہیں۔ چند اقوال یہ ہیں:

(۱) جو اپنے بھائی کی بھلائی کرے گا، وہ کل اس کا اجر پائے گا۔

(۲) کمال اور بزرگی کو غنیمت جانو! اور اس کے حاصل کرنے میں جلدی کرو!

(۳) جو سخاوت کرے گا وہ سردار ہو گا، جو بخل کرے گا وہ ذلیل و خوار ہو گا۔

(۴) حاجت مندوں کا تمہارے پاس آنا، انعاماتِ الہیہ سے ہے چنانچہ اس کو

- غنیمت جانو اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے رہو۔
- (۵) دین، تمہارا شفیق ترین بھائی ہے، جس طرح شفیق بھائی فائدہ پہنچانے کی غرض سے پسند و نصیحت کرتا ہے اس کی متابعت، فائدہ اور مخالفت میں نقصان ہوتا ہے، بعینہ دین کی متابعت میں نجات اور اس کی مخالفت میں ہلاکت ہے تو عقل مند وہ ہے کہ اپنے شفیق بھائی کی شفقت کو سمجھے اور اس کی پوری متابعت کرے اور مخالفت سے دور رہے۔
- (۶) بندگی یہ ہے کہ بندہ آپے سے باہر ہو جائے یعنی ذات احدیت میں ایسا غرق و فنا ہو جائے کہ اپنے وجود کو درمیان میں حائل نہ کرے۔ (نور الابصار، تذکرہ)
- (۷) سب سے بڑا سخی وہ ہے جو کسی ایسے کو عطا کرے، جس سے کسی قسم کی توقع نہ ہو۔
- (۸) ذلت کی زندگی سے، عزت کی موت کہیں بہتر ہے۔
- (۹) مومن نہ برائی کرتا ہے، نہ ہی عذر پیش کرتا ہے جب کہ منافق ہر روز برائی کرتا ہے اور ہر روز عذر خواہی کرتا ہے۔
- (۱۰) دوست وہ ہے جو تمہیں برائی سے بچائے، دشمن وہ ہے جو تمہیں برائیوں کی ترغیب دلائے۔
- (۱۱) اللہ کے سوا جس کا کوئی مددگار نہ ہو، خبردار! اس پر ظلم مت کرنا۔
- (۱۲) جس کام کی انجام دہی تمہارے لیے دشوار ہو، اس کی ذمہ داری اپنے سر نہ لو!
- (۱۳) تقویٰ اور نیکی، آخرت کے لیے بہترین زادِ راہ ہے۔

۱۶۱۵۲۷

- (۱۳) مروت یہ ہے کہ جو وعدہ کرے، تو پورا کرے۔
- (۱۵) نیک لوگ، اپنے انجام سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔
- (۱۶) علم اور بردباری، انسان کی سیرت کو آراستہ کرتی ہے۔
- (۱۷) ظالم کے خلاف، جتنی دیر سے اٹھو گے، اتنی ہی زیادہ قربانی دینی پڑے گی۔
- (۱۸) جب جسم، موت کے لیے ہے تو اللہ کی راہ میں شہید ہونا، سب سے بہتر ہے۔
- (۱۹) سب سے بڑا معاف کرنے والا انسان وہ ہے جو قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دے۔
- (۲۰) جو لوگ، خدا کی رضا کو بندوں کی رضا کے بدلے خریدتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

فصل (۶)

اولاد عظام

- امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے تھے:
- (۱) امام علی اکبر، یہ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ مصنف کتاب کو آپ کی شہادت گاہ دیکھنے کا شرف عطا ہوا ہے۔ فلله الحمد والثناء والشکر۔
- (۲) علی الاوسط یعنی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ
- (۳) علی اصغر، یہ بھی کربلا بھی شہید ہوئے۔ آپ کی شہادت گاہ بھی خاکسار

مصنف کتاب کو دیکھنے کا شرف ملا ہے۔

صاحبزادوں کے علاوہ، دو صاحبزادیاں تھیں:

(۱) حضرت سیدہ فاطمہ

(۲) حضرت سیدہ سکینہ

یہ تفصیل علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے صفوة الصفوة میں دی ہے۔ جب کہ بعض کتب میں آپ کے مزید تین شہزادوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے اسماء عالیہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ

(۲) حضرت محمد

(۳) حضرت جعفر

اسی طرح ایک شہزادی حضرت زینب کا بھی ذکر ملتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ عبداللہ اور جعفر، امام علی اصغر ہی کے نام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والحقیقۃ۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی نسل، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے چلی۔ جب کہ باقی جملہ اولاد آپ کی حیات ظاہری ہی میں شہادت اور طبعی موت سے راہی دارِ آخرت ہوئی۔ رضی اللہ عنہم جمیعاً۔ (تذکرہ امام حسین)

فصل (۷)

اسباب شہادت اور شہادت

سید الشہداء امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں ہی ارشاد فرمادی تھی، چنانچہ ذیل کی روایت ملاحظہ فرمائیے!

”حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرماتھے۔ آپ نے فرمایا: ابھی میرے پاس کوئی نہ آئے۔ میں نے دھیان (تو) رکھا (مگر میری لاعلمی میں) حضرت حسین رضی اللہ عنہ حجرہ مبارک میں داخل ہو گئے۔ پھر اچانک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہچکی بندھ کر رونے کی آواز سنی۔ میں نے حجرہ مبارک میں جھانکا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی مبارک پونچھ رہے ہیں اور ساتھ ہی رو بھی رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے ان کے اندر آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام ہمارے ساتھ ابھی گھر میں موجود تھے، انہوں نے کہا: آپ اس (حسین رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، ساری دنیا سے بڑھ کر (اس سے محبت کرتا ہوں)۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ کی امت اسے ایسی سرزمین پر شہید کرے گی جسے کربلا کہا جاتا ہے۔“

جبرائیل علیہ السلام اس سرزمین کی مٹی بھی لائے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مٹی انہیں دکھائی۔ جب (امام) حسین علیہ السلام کو شہادت کے وقت گھیرے میں لیا گیا تو آپ (امام عالی مقام) نے پوچھا: یہ کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا: کربلا، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں، یہ (واقعی) کرب و بلا (دکھ اور آزمائش) کی سرزمین ہے۔

اسے امام احمد اور طبرانی نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام پیشی نے فرمایا: امام طبرانی نے اسے بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک سند کے رجال ثقہ ہیں۔“

اسباب شہادت اور واقعات شہادت کو بہت سے مؤرخین اور اہل قلم نے بیان کیا ہے۔ ہم ذیل میں حضرت صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت امام کی مدینہ طیبہ سے رحلت

مدینہ سے حضرت امام کی رحلت کا دن اہل مدینہ اور خود حضرت امام کے لیے کیسے رنج و اندوہ کا دن تھا۔ اطراف عالم سے تو مسلمان وطن ترک کر کے اعزہ و احباب کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ حاضر ہونے کی تمنا کریں، دربار رسالت کی حاضری کا شوق دشوار گزار منزلیں اور بروج بحر کا طویل اور خوفناک سفر اختیار کرنے کے لیے بے قرار بنادے۔ ایک ایک لمحہ کی جدائی انھیں شاق ہو، اور فرزند رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو رسول سے رحلت کرنے پر مجبور ہو۔ اس وقت کا تصور دل کو پاش پاش کر دیتا ہے جب حضرت امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ بارادہ رخصت آستانہ قدسیہ پر حاضر ہوئے ہوں گے اور دیدہ خونبار نے اشکِ غم کی بارش کی ہوگی۔ دلِ درد مند غمِ مہجوری سے گھائل ہوگا۔ جد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ طاہرہ سے جدائی کا صدمہ حضرت امام کے دل پر رنج و غم کے پہاڑ توڑ رہا ہوگا۔

اہلِ مدینہ کی مصیبت کا بھی کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دیدارِ حبیب کے فدائی اس فرزند کی زیارت سے اپنے قلبِ مجروح کو تسکین دیتے تھے۔ ان کا دیدار ان کے دل کا قرار تھا، آہ! آج یہ قرارِ دلِ مدینہ طیبہ سے رخصت ہو رہا ہے۔ امام عالی مقام نے مدینہ طیبہ سے بہ غم و اندوہ، بادلِ ناشاد، رحلت فرما کر مکہ مکرمہ اقامت فرمائی۔

امام کی جناب میں کوفیوں کی درخواستیں

یزیدیوں کی کوششوں سے اہلِ شام سے جہاں یزید کی تخت گاہ تھی یزید کی رائے مل سکی اور وہاں کے باشندوں نے اس کی بیعت کی۔ اہلِ کوفہ امیر معاویہ کے زمانہ ہی میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں درخواستیں بھیج رہے تھے۔ تشریف آوری کی التجائیں کر رہے تھے۔ لیکن امام نے صاف انکار کر دیا تھا۔ امیر معاویہ کی وفات پر اور یزید کی تخت نشینی کے بعد اہلِ عراق کی جماعتوں نے متفق ہو کر امام کی خدمت میں درخواستیں بھیجیں اور ان میں اپنی نیاز مندی و جذباتِ عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا اور حضرت امام پر اپنے جان و مال فدا کرنے کی تمنا ظاہر کی۔ اس طرح کے التجا ناموں اور درخواستوں کا سلسلہ بندھ گیا اور تمام جماعتوں اور فرقوں کی طرف سے ڈیڑھ سو کے قریب عرضیاں

حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچیں۔ کہاں تک اغماض کیا جاتا اور کب تک حضرت امام کے اخلاق جو اب خشک کی اجازت دیتے۔ ناچار آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کی روانگی تجویز فرمائی۔ اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی اور کوفیوں کی بیوفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت و سلطنت دین کے لیے خطرہ تھی اور اس کی وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ ان حالات میں کوفیوں کا پاس ملت یزید کی بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرت امام سے طالب بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں۔

جب ایک قوم ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور صاحب استحقاق اہل سے درخواست بیعت کرے اس پر اگر وہ ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہ الہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے۔ بدیں وجہ ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنا پڑی۔ اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لیے حاضر تھے۔ یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔

اگرچہ اکابر صحابہ کرام حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر و حضرت جابر و حضرت ابو سعید و حضرت ابو اقدلیثی وغیر ہم حضرت امام کی اس رائے سے

متفق نہ تھے اور انہیں کوفیوں کے عہد و موافقت کا اعتبار نہ تھا، امام کی محبت اور شہادتِ امام کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی۔ گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی کہ شہادت کا یہی وقت ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہو گا لیکن اندیشہ مانع تھا۔

حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی کہ اس استدعا کو روکنے کے لیے عذر شرعی کیا ہے۔ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ، ادھر اہل کوفہ کی استدعا رد نہ فرمانے کے لیے کوئی شرعی عذر نہ ہونا حضرت امام کے لیے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے اگر کوفیوں نے بد عہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جاسکے گی۔

کوفہ کو حضرت مسلم کی روانگی

اس بنا پر آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ فرمایا اور اہل کوفہ کو تحریر فرمایا کہ تمہاری استدعا پر ہم حضرت مسلم کو روانہ کرتے ہیں ان کی نصرت و حمایت تم پر لازم ہے۔

حضرت مسلم کے دو فرزند محمد اور ابراہیم جو اپنے باپ کے بہت پیارے بیٹے تھے اس سفر میں اپنے پدر مشفق کے ہمراہ ہوئے۔ حضرت مسلم نے کوفہ پہنچ کر مختار بن ابی عبید کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر جوق در جوق مخلوق آپ کی زیارت کو آئی اور بارہ ہزار سے زیادہ تعداد نے آپ کے دست مبارک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

حضرت مسلم نے اہل عراق کی گرویدگی و عقیدت دیکھ کر حضرت امام کی جناب میں عریضہ لکھا جس میں یہاں کے حالات کی اطلاع دی اور التماس کی کہ ضرورت ہے کہ حضرت جلد تشریف لائیں تاکہ بندگانِ خدا، ناپاک کے شر سے محفوظ رہیں اور دینِ حق کی تائید ہو، مسلمان امامِ حق کی بیعت سے مشرف و فیض یاب ہو سکیں۔

اہل کوفہ کا یہ جوش دیکھ کر حضرت نعمان بن بشیر صحابی نے جو اس زمانے میں حکومت شام کی جانب سے کوفہ کے والی (گورنر) تھے۔ اہل کوفہ کو مطلع کیا کہ یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے اور وہ اس پر بہت بھڑکے گا لیکن اتنی اطلاع دے کر ضابطہ کی کارروائی پوری کر کے حضرت نعمان بن بشیر خاموش ہو بیٹھے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی۔

مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو اطلاع دی کہ حضرت مسلم بن عقیل تشریف لائے ہیں اور اہل کوفہ میں ان کی محبت و عقیدت کا جوش دم بدم بڑھ رہا ہے۔ ہزار ہا آدمی ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں اور نعمان بن بشیر نے اب تک کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی نہ انسدادی تدابیر عمل میں لائے۔

یزید نے یہ اطلاع پاتے ہی نعمان بن بشیر کو معزول کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو جو اس کی طرف سے بصرہ کا والی تھا ان کا قائم مقام کیا۔ عبید اللہ بن زیاد بہت مکار و گتیا د تھا، وہ بصرہ سے روانہ ہوا اور اس نے اپنی فوج کو قادیسیہ میں چھوڑا اور خود حجازیوں کا لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور چند آدمی ہمراہ لے کر شب کی تاریکی میں مغرب و عشاء کے درمیان اس راہ سے کوفہ میں داخل ہوا جس سے

حجازی قافلے آیا کرتے تھے۔ اس مکاری سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت اہل کوفہ میں بہت جوش ہے، ایسے طور پر داخل ہونا چاہیے کہ وہ ابن زیاد کو نہ پہچانیں اور یہ سمجھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تاکہ وہ بے خطرہ و اندیشہ امن و عافیت کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اہل کوفہ جن کو ہر لمحہ حضرت امام عالی مقام کی تشریف آوری کا انتظار تھا، انہوں نے دھوکا کھایا اور شب کی تاریکی میں حجازی لباس اور حجازی راہ سے آتا دیکھ کر سمجھے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے، نعرہ ہائے مسرت بلند کیے، گرد و پیش مر جبا کہتے چلے مَرَّ حَبَابِكَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ اور قَدِمْتَ خَيْرَ مَقَدِمٍ كاشور مچایا۔

یہ مردود دل میں تو جلتا رہا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ کوفیوں کو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری کا انتظار ہے اور ان کے دل ان کی طرف مائل ہیں مگر اس وقت کی مصلحت سے خاموش رہاتا کہ ان پر اس کا مکر کھل نہ جائے یہاں تک کہ دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) میں داخل ہو گیا۔ اس وقت کوئی یہ سمجھے کہ یہ حضرت نہ تھے بلکہ ابن زیاد اس فریب کاری کے ساتھ آیا اور انہیں حسرت و مایوسی ہوئی۔

رات گزار کر صبح کو ابن زیاد نے اہل کوفہ کو جمع کیا اور حکومت کا پروانہ پڑھ کر انہیں سنایا اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا دھمکایا، طرح طرح کے حیلوں سے حضرت مسلم کی جماعت کو منتشر کر دیا، حضرت مسلم نے ہانی بن عروہ کے مکان میں اقامت فرمائی، ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو ایک دستہ فوج کے ساتھ ہانی کے مکان پر بھیج کر اس کو گرفتار کرانگایا اور قید کر لیا، کوفہ کے تمام

روساو عمائد کو بھی قلعہ میں نظر بند کر لیا۔

حضرت مسلم یہ خبر پا کر برآمد ہوئے اور آپ نے اپنے متوسلین کو ندا کی، جو ق در جو ق آدمی آنے شروع ہوئے اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ قصر شاہی کا احاطہ کر لیا، صورت بن آئی تھی حملہ کرنے کی دیر تھی۔ اگر حضرت مسلم حملہ کرنے کا حکم دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح پاتا اور ابن زیاد اور اس کے ہمراہی حضرت مسلم کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے اور یہی لشکر سیلاب کی طرح امنڈ کر شامیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتا اور یزید کو جان بچانے کے لیے کوئی راہ نہ ملتی۔

نقشہ تو یہی جماتا تھا مگر کار بدست کار کنان قدرست، بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسلم نے قلعہ کا احاطہ تو کر لیا اور باوجود یکہ کوفیوں کی بد عہدی اور ابن زیاد کی فریب کاری اور یزید کی عداوت پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کا حکم نہ دیا اور ایک بادشاہ داد گستر کے نائب کی حیثیت سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے قطع حجت کر لیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے تو مسلمانوں میں خونریزی نہ ہونے دی جائے۔ آپ اپنے اس پاک ارادہ سے انتظار میں رہے اور اپنی احتیاط کو ہاتھ سے نہ دیا، دشمن نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے روسا و عمائد جن کو ابن زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انھیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرت مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ لوگ ابن زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابن زیاد کو شکست بھی ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا کر اٹھے اور

انہوں نے دیوار قلعہ پر چڑھ کر اپنے متعلقین و متوسلین سے گفتگو کی اور انہیں حضرت مسلم کی رفاقت چھوڑ دینے پر انتہا درجہ کا زور دیا اور بتایا کہ علاوہ اس بات کے کہ حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی یزید ناپاک طینت تمہارے بچہ بچہ کو قتل کر ڈالے گا، تمہارے مال لٹوادے گا، تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہو جائیں گے، یہ اور مصیبت ہے کہ اگر تم امام مسلم کے ساتھ رہے تو ہم جو ابن زیاد کے ہاتھ میں قید ہیں قلعہ کے اندر مارے جائیں گے، اپنے انجام پر نظر ڈالو، ہمارے حال پر رحم کرو، اپنے گھروں پر چلے جاؤ۔

یہ حیلہ کامیاب ہوا اور حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ تابوقتِ شام حضرت مسلم نے مسجد کوفہ میں جس وقت مغرب کی نماز شروع کی تو آپ کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔

تمناؤں کے اظہار اور التجاؤں کے طومار سے جس عزیز مہمان کو بلایا تھا اس کے ساتھ یہ وفا ہے کہ وہ تنہا ہیں اور ان کی رفاقت کے لیے کوئی ایک بھی موجود نہیں، کوفہ والوں نے حضرت مسلم کو چھوڑنے سے پہلے غیرت و حمیت سے قطع تعلق کیا اور انہیں ذرا پرواہ نہ ہوئی کہ قیامت تک تمام عالم میں ان کی بے ہمتی کا شہرہ رہے گا اور اس بزدلانہ بے مروتی اور نامردی سے وہ سوائے عالم ہوں گے۔

حضرت مسلم اس غربت و مسافرت میں تنہا رہ گئے، کدھر جائیں، کہاں قیام کریں، حیرت ہے کوفہ کے تمام مہمان خانوں کے دروازے مقفل تھے جہاں سے ایسے محترم مہمانوں کو مدعو کرنے کے لیے رسل و رسائل کا تانتا باندھ دیا

گیا تھا، نادان بچے ساتھ ہیں، کہاں انھیں لٹائیں، کہاں سلائیں، کوفہ کے وسیع خطہ میں دوچار گز زمین حضرت مسلم کے شب گزارنے کے لیے نظر نہیں آتی۔ اس وقت حضرت مسلم کو امام حسین کی یاد آتی ہے اور دل تڑپا دیتی ہے، وہ سوچتے ہیں کہ میں نے امام کی جناب میں خط لکھا، تشریف آوری کی التجا کی ہے اور اس بد عہد قوم کے اخلاص و عقیدت کا ایک دل کش نقشہ امام عالی مقام کے حضور پیش کیا ہے اور تشریف آوری پر زور دیا ہے۔ یقیناً حضرت امام میری التجا رد نہ فرمائیں گے اور یہاں کے حالات سے مطمئن ہو کر مع اہل و عیال چل پڑے ہوں گے یہاں انھیں کیا مصائب پہنچیں گے اور چمن زہرا کے جنتی پھولوں کو اس بے مہری کی طپش کیسے گزند پہنچائے گی۔ یہ غم الگ دل کو گھائل کر رہا تھا اور اپنی تحریر پر شرمندگی و انفعال اور حضرت امام کے لیے خطرات علیحدہ بے چین کر رہے تھے اور موجودہ پریشانی جدا، دامن گیر تھی۔

اس حالت میں حضرت مسلم کو پیاس معلوم ہوئی، ایک گھر سامنے نظر پڑا جہاں طوعہ نامی ایک عورت موجود تھی اس سے آپ نے پانی مانگا، اس نے آپ کو پہچان کر پانی دیا اور اپنی سعادت سمجھ کر آپ کو اپنے مکان میں فروکش کیا۔ اس عورت کا بیٹا محمد ابن اشعث کا گرگاتھا، اس نے فوراً ہی اس کو خبر دی اور اس نے ابن زیاد کو اس پر مطلع کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے عمرو بن حریث (کو تو ال کوفہ) اور محمد بن اشعث کو بھیجا ان دونوں نے ایک جماعت ساتھ لے کر طوعہ کے گھر کا احاطہ کیا اور چاہا کہ حضرت مسلم کو گرفتار کر لیں۔ حضرت مسلم اپنی تلوار لے کر نکلے اور بنا چاری آپ نے ان ظالموں سے مقابلہ شروع کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت مسلم اس جماعت پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے شیر بر گلہ

گو سپند پر حملہ آور ہو۔ آپ کے شیرانہ حملوں سے دل آوروں نے دل چھوڑ دیئے اور بہت آدمی زخمی ہو گئے، بعض مارے گئے۔

معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کے اس ایک جوان سے نامردانِ کوفہ کی یہ جماعت بڑا آزما نہیں ہو سکتی۔ اب تجویز کی کہ کوئی چال چلنی چاہیے اور کسی فریب سے حضرت مسلم پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ یہ سوچ کر امن و صلح کا اعلان کر دیا اور حضرت مسلم سے عرض کیا کہ ہمارے آپ کے درمیان جنگ کی ضرورت نہیں ہے نہ ہم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنا چاہتے ہیں مدعا صرف اس قدر ہے کہ آپ ابن زیاد کے پاس تشریف لے چلیں اور اس سے گفتگو کر کے معاملہ طے کر لیں۔ حضرت مسلم نے فرمایا کہ میرا خود قصدِ جنگ نہیں اور جس وقت میرے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر تھا اس وقت بھی میں نے جنگ نہیں کی اور میں یہی انتظار کرتا رہا کہ ابن زیاد گفتگو کر کے کوئی شکلِ مصالحت پیدا کرے تو خونریزی نہ ہو۔

چنانچہ یہ لوگ حضرت مسلم کو مع ان کے دونوں صاحبزادوں کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے کر روانہ ہوئے۔ اس بد بخت نے پہلے ہی سے دروازہ کے دونوں پہلوؤں میں اندر کی جانب تیغ زن چھپا کر کھڑے کر دیئے تھے اور انہیں حکم دے دیا تھا کہ حضرت مسلم دروازہ میں داخل ہوں تو ایک دم دونوں طرف سے ان پر وار کیا جائے۔ حضرت مسلم کو اس کی کیا خبر تھی اور آپ اس مکاری اور گتادی سے کیا واقف تھے، آپ آئیہ کریمہ: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (لآیۃ) پڑھتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ داخل ہونا تھا کہ اشقیانے دونوں طرف سے تلواروں کے وار کیے اور بنی ہاشم کا مظلوم مسافر اعداء

دین کی بے رحمی سے شہید ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دونوں صاحبزادے آپ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس بے کسی کی حالت میں اپنے شفیق والد کا سران کے مبارک تن سے جدا ہوتے دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل غم سے پھٹ گئے اور اس صدمہ میں وہ بید کی طرح لرزنے اور کانپنے لگے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو دیکھتا تھا اور ان کی سرگیں آنکھوں سے خونی اشک جاری تھے لیکن اس معرکہ ستم میں کوئی ان نادانوں پر رحم کرنے والا نہ تھا، ستم گاروں نے ان نونہالوں کو بھی تیغ ستم سے شہید کیا اور ہانی کو قتل کر کے سولی چڑھایا۔ ان تمام شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرائے گئے اور بے حیائی کے ساتھ کوفیوں نے اپنی سنگ دلی اور مہمان کشی کا عملی طور پر اعلان کیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی روز مکہ مکرمہ سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ کے ہمراہ اس وقت مسطورہ ذیل حضرات تھے: تین فرزند حضرت امام علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں جو حضرت شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کے بطن سے ہیں ان کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور وہ مریض تھے۔ حضرت امام کے دوسرے صاحبزادے حضرت علی اکبر جو یعلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی کے بطن سے ہیں جن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی (یہ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے) تیسرے شیر خوار جنھیں علی اصغر کہتے ہیں جن کا نام عبد اللہ اور جعفر بھی بتایا گیا ہے اس نام میں اختلاف ہے آپ کی والدہ قبیلہ بنی قضاعہ سے ہیں اور ایک صاحبزادی جن کا نام سکینہ ہے اور جن کی نسبت حضرت قاسم کے ساتھ ہوئی تھی اور اس وقت آپ کی

عمر سات سال کی تھی۔ کربلا میں ان کا نکاح ہونے کی جو روایت مشہور ہے وہ غلط ہے اس کی کچھ اصل نہیں اور کچھ ایسے کم عقل لوگوں نے یہ روایت وضع کی ہے جنہیں اتنی بھی تمیز نہ تھی کہ وہ یہ سمجھ سکتے کہ اہل بیت رسالت کے لیے وہ وقت توجہ الی اللہ اور شوق شہادت اور اتمام حجت کا تھا۔ اس وقت شادی نکاح کی طرف التفات ہونا بھی ان حالات کے منافی ہے۔ حضرت سکینہ کی وفات بھی راہِ شام میں مشہور کی جاتی ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ وہ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ تک حیات رہیں اور ان کا نکاح حضرت مصعب بن زبیر کے ساتھ ہوا۔ حضرت سکینہ کی والدہ امراء القیس ابن عدی کی دختر قبیلہ بنی کلب سے ہیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ازواج میں سب سے زیادہ ان کے ساتھ محبت تھی اور ان کا بہت زیادہ اکرام و احترام فرماتے تھے۔ حضرت امام کا ایک شعر ہے۔

لَعُبْرِيْ اِنِّيْ لَأَحِبُّ اَرْضًا
تَحُلُّ بِهَا سَكِيْنَةُ وَالرَّبَابُ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عالی مقام کو حضرت سکینہ اور ان کی والدہ ماجدہ سے کس قدر محبت تھی۔ حضرت امام کی بڑی صاحبزادی حضرت فاطمہ صغریٰ جو حضرت ام اسحاق بنت طلحہ کے بطن سے ہیں اپنے شوہر حضرت حسن بن ثنیٰ بن حضرت امام حسن ابن حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ مدینہ طیبہ میں رہیں، کربلا تشریف نہ لائیں۔ امام کے ازواج میں حضرت امام کے ساتھ شہربانو اور حضرت علی اصغر کی والدہ تھیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ، حضرت عمر، حضرت ابو بکر، امام کے ہمراہ تھے اور کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پانچ فرزند حضرت عباس ابن علی، حضرت عبد اللہ ابن علی، حضرت محمد ابن علی، حضرت جعفر ابن علی، حضرت عثمان ابن علی، حضرت امام کے ہمراہ تھے۔ سب نے شہادت پائی۔

حضرت عقیل کے فرزندوں میں حضرت مسلم تو حضرت امام کے کربلا پہنچنے سے پہلے ہی مع اپنے دو صاحبزادوں محمد و ابراہیم کے شہید ہو چکے اور تین فرزند حضرت عبد اللہ و حضرت عبدالرحمن و حضرت جعفر برادران حضرت مسلم، امام کے ہمراہ کربلا حاضر ہو کر شہید ہوئے۔

حضرت جعفر طیار کے دو پوتے حضرت محمد اور حضرت عون، حضرت امام کے ہمراہ حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبد اللہ بن جعفر ہے اور حضرت امام کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب، حضرت امام کی حقیقی بہن ہیں۔

صاحبزادگان اہل بیت میں سے سترہ حضرات، حضرت کے ہمراہ حاضر ہو کر رتبہ شہادت کو پہنچے اور حضرت امام زین العابدین (بیمار) اور عمر بن حسن اور محمد بن عمر ابن علی اور دوسرے صغیر السن صاحبزادے، قیدی بنائے گئے۔ حضرت زینب، حضرت امام کی حقیقی ہمشیرہ اور شہربانو حضرت امام کی زوجہ اور حضرت سکینہ، حضرت امام کی دختر اور دوسری اہل بیت کی بیبیاں ہمراہ تھیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

کوفہ کو روانگی

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط آنے کے بعد حضرت امام

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفیوں کی درخواست قبول فرمانے میں کوئی وجہ تامل وجائے عذر باقی نہیں رہتی تھی، ظاہری شکل تو یہ تھی اور حقیقت میں قضا و قدر کے فرمان نافذ ہو چکے تھے شہادت کا وقت نزدیک آچکا تھا، جذبہ شوق دل کو کھینچ رہا تھا، فداکاری کے ولولوں نے دل کو بیتاب کر دیا تھا، حضرت امام نے سفر عراق کا ارادہ فرمایا اور اسباب سفر درست ہونے لگا، نیاز مندان صادق العقیدت کو اطلاع ہوئی۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی مخوف صورت پیش نظر نہ تھی اور حضرت مسلم کے خط سے کوفیوں کی عقیدت و ارادت اور ہزار ہا آدمیوں کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کی اطلاع مل چکی، غدر اور جنگ کا بظاہر کوئی قرینہ نہ تھا لیکن صحابہ کے دل اس وقت حضرت امام کے سفر کو کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے اور وہ حضرت امام سے اصرار کر رہے تھے کہ آپ اس سفر کو ملتوی فرمائیں مگر حضرت امام ان کی یہ استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے کیونکہ آپ کو خیال تھا کہ کوفیوں کی اتنی بڑی جماعت کا اس قدر اصرار اور ایسی التجاؤں کے ساتھ عرضداشتیں پذیرا، نہ فرمانا اہل بیت کے اخلاق کے شایاں نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مسلم کے پہنچنے پر اہل کوفہ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونا اور امام کی بیعت کے لیے شوق سے ہاتھ پھیلا دینا اور ہزاروں کوفیوں کا داخل حلقہ غلامی ہو جانا، اس پر بھی حضرت امام کا ان کی طرف سے اغماض فرمانا اور ان کی ایسی التجاؤں کو جو محض دینی پاس داری کے لیے ہیں، ٹھکرا دینا اور اس مسلمان قوم کی دل شکنی کرنا حضرت کو کسی طرح گوارا نہ ہوا۔ ادھر حضرت مسلم جیسے صفا کیش کی استدعا کو بے التفاتی کی نظر سے دیکھنا اور ان کی درخواست تشریف آوری کو رد فرما دینا بھی حضرت امام پر بہت شاق تھا۔ یہ وجوہ تھے جنہوں نے امام کو سفر عراق پر مجبور کیا اور آپ

کو اپنے حجازی عقیدت مندوں سے معذرت کرنا پڑی۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو واقد لیشی اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کو روکنے میں بہت مصر تھے اور آخر تک وہ یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے تشریف نہ لے جائیں لیکن یہ کوششیں کار آمد نہ ہوئیں اور حضرت امام عالی مقام نے ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل بیت موالی و خدام کل بیاسی (۸۲) نفوس کو ہمراہ لے کر راہ عراق اختیار کی۔ مکہ مکرمہ سے اہل بیت رسالت کا یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوتا ہے اور دنیا سے سفر کرنے والے بیت اللہ الحرام کا آخری طواف کر کے خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹ لپٹ کر روتے ہیں، ان کی گرم آہوں اور دل ہلادینے والے نالوں نے مکہ مکرمہ کے باشندوں کو مغموم کر دیا، مکہ مکرمہ کا بچہ بچہ اہل بیت کے اس قافلہ کو حرم شریف سے رخصت ہوتا دیکھ کر آبدیدہ اور مغموم ہو رہا تھا مگر وہ جانبازوں کے میر لشکر اور فداکاروں کے قافلہ سالار مردانہ ہمت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ذاتِ عرق کے مقام پر بشیر ابن غالب اسدی بعزم مکہ مکرمہ کو فہ سے آتے ملے۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اہل عراق کا حال دریافت کیا، عرض کیا کہ انکے قلوب آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے **يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ**، حضرت امام نے فرمایا سچ ہے۔ ایسی ہی گفتگو فرزدق شاعر سے ہوئی۔ بطن ذی الرمہ (نام مقامے) سے روانہ ہونے کے بعد عبد اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ وہ حضرت امام کے بہت درپے ہوئے کہ آپ اس سفر کو ترک فرمائیں اور اس میں انھوں نے اندیشے ظاہر کیے۔ حضرت امام

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا: ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو خداوند عالم نے ہمارے لیے مقرر فرمادی۔

راہ میں حضرت امام عالی مقام کو کوفیوں کی بد عہدی اور حضرت مسلم کی شہادت کی خبر مل گئی۔ اس وقت آپ کی جماعت میں مختلف رائیں ہوئیں اور ایک مرتبہ آپ نے بھی واپسی کا قصد ظاہر فرمایا لیکن بہت گفتگو یوں کے بعد رائے یہی قرار پائی کہ سفر جاری رکھا جائے اور واپسی کا خیال ترک کیا جائے۔

حضرت امام نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا اور قافلہ آگے چل دیا یہاں تک کہ جب کوفہ دو منزل رہ گیا تب آپ کو حربن یزید ریاحی ملا، حر کے ساتھ ابن زیاد کے ایک ہزار ہتھیار بند سوار تھے، حر نے حضرت امام کی جناب میں عرض کیا کہ اس کو ابن زیاد نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ کو اس کے پاس لے چلے، حر نے یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ مجبورانہ بادل نخواستہ آیا ہے اور اس کو آپ کی خدمت میں جرأت بہت ناپسند و ناگوار ہے۔ حضرت امام نے حر سے فرمایا کہ میں اس شہر میں خود بخود نہ آیا بلکہ مجھے بلانے کے لیے اہل کوفہ کے متواتر پیام گئے اور لگاتار نامے پہنچتے رہے۔ اے اہل کوفہ! اگر تم اپنے عہد و بیعت پر قائم ہو اور تمہیں اپنی زبانوں کا کچھ پاس ہو تو تمہارے شہر میں داخل ہوں ورنہ یہیں سے واپس چلا جاؤں۔

حر نے قسم کھا کر کہا کہ ہم کو اس کا کچھ علم نہیں کہ آپ کے پاس التجانامے اور قاصد بھیجے گئے اور میں نہ آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس ہو سکتا ہوں۔ حر کے دل میں خاندان نبوت اور اہل بیت کی عظمت ضرور تھی اور اس نے نمازوں میں حضرت امام ہی کی اقتدا کی لیکن وہ ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھا اور

اس کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ اگر حضرت امام کے ساتھ کوئی مراعات کرے تو ابن زیاد پر یہ بات ظاہر ہو کر رہے گی کہ ہزار سوار ساتھ ہیں، ایسی صورت میں کسی بات کا چھپانا ممکن نہیں اور اگر ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت امام کے ساتھ ذرا بھی فروگزاشت کی گئی ہے تو وہ نہایت سختی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اس اندیشہ اور خیال سے حراپنی بات پر اڑا رہا یہاں تک کہ حضرت امام کو کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا میں نزول فرمانا پڑا۔

یہ محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔ آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جگہ کو کربلا کہتے ہیں۔ حضرت امام کربلا سے واقف تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ کربلا ہی وہ جگہ ہے جہاں اہل بیت رسالت کو راہ حق میں اپنے خون کی ندیاں بہانی ہوں گی۔ آپ کو انہیں دنوں میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو شہادت کی خبر دی اور آپ کے سینہ مبارک پر دست اقدس رکھ کر دعا فرمائی: **اللَّهُمَّ اعْطِ الْحُسَيْنَ صَبْرًا وَاجْرًا عَجِيبَ وَقْتِ** ہے کہ سلطان دارین کے نور نظر کو صد ہا تمناؤں سے مہمان بنا کر بلایا ہے، عرضیوں اور درخواستوں کے طومار لگا دیئے ہیں، قاصدوں اور پیاموں کی روزمرہ ڈاک لگ گئی ہے۔ اہل کوفہ راتوں کو اپنے مکانوں میں امام کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے، جماعتیں مدتوں تک صبح سے شام تک حجاز کی سڑک پر بیٹھ کر امام کی آمد کا انتظار کیا کرتی ہیں اور شام کو بادلِ مغموم واپس جاتی ہیں لیکن جب وہ کریم مہمان اپنے کرم سے ان کی زمین میں ورود فرماتا ہے تو ان ہی کوفیوں کا مسلح لشکر سامنے آتا ہے اور نہ شہر میں داخل ہونے دیتا ہے نہ اپنے وطن

ہی کو واپس تشریف لے جانے پر راضی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس معزز مہمان کو مع اپنے اہل بیت کے کھلے میدان میں رختِ اقامت ڈالنا پڑتا ہے اور دشمنانِ حیا کو غیرت نہیں آتی۔ دنیا میں ایسے معزز مہمان کے ساتھ ایسی بے حمیتھی کا سلوک کبھی نہ ہوا ہو گا جو کو فیوں نے حضرت امام کے ساتھ کیا۔

یہاں تو ان مسافرانِ بے وطن کا سامان بے ترتیب پڑا ہے اور ادھر ہزار سوار کا مسلح لشکر مقابلِ خیمہ زن ہے جو اپنے مہمانوں کو نیزوں کی نوکیں اور تلواروں کی دھاریں دکھا رہا ہے اور بجائے آدابِ میزبانی کے خونخواری پر تلا ہوا ہے۔ دریائے فرات کے قریب دونوں لشکر تھے اور دریائے فرات کا پانی دونوں لشکروں میں سے کسی کو سیراب نہ کر سکا۔ امام کے لشکر کو تو اس کا ایک قطرہ پہنچنا ہی مشکل ہو گیا اور یزیدی لشکر جتنے آتے گئے ان سب کو اہل بیت رسالت کے بے گناہ خون کی پیاس بڑھتی گئی۔ آبِ فرات سے ان کی تشنگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ابھی اطمینان سے بیٹھنے اور تکان دور کرنے کی صورت بھی نظر نہ آئی تھی کہ حضرت امام کی خدمت میں ابن زیاد کا ایک مکتوب پہنچا جس میں اس نے حضرت امام سے یزیدنا پاک کی بیعت طلب کی تھی۔ حضرت امام نے وہ خط پڑھ کر ڈال دیا اور قاصد سے کہا میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔

ستم ہے، بلایا تو جاتا ہے خود بیعت ہونے کے لیے اور جب وہ کریم بادیہ پیمائی کی مشقتیں برداشت فرما کر تشریف لے آتے ہیں تو ان کو یزید جیسے عیب مجسم شخص کی بیعت پر مجبور کیا جاتا ہے جس کی بیعت کو کوئی بھی واقف حال دیندار آدمی گوارا نہیں کر سکتا تھا نہ وہ بیعت کسی طرح جائز تھی۔ امام کو ان بے حیاءوں کی اس جرأت پر حیرت تھی اور اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس

کا کچھ جواب نہیں ہے۔ اس سے ابن زیاد کا طیش اور زیادہ ہو گیا اور اس نے مزید عسا کر و افواج ترتیب دیئے اور ان لشکروں کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا جو اس زمانے میں ملک رے کا والی (گورنر) تھا۔ رے خراسان کا ایک شہر ہے جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اس کو طہران کہتے ہیں۔

ستم شعار محاربین سب کے سب حضرت امام کی عظمت و فضیلت کو خوب جانتے پہچانتے تھے اور آپ کی جلالت و مرتبت کا ہر دل معترف تھا۔ اس وجہ سے ابن سعد نے حضرت امام کے مقابلہ سے گریز کرنی چاہی اور پہلو تہی کی وہ چاہتا تھا کہ حضرت امام کے خون کے الزام سے وہ بچا رہے مگر ابن زیاد نے اسے مجبور کیا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو رے کی حکومت سے دست بردار ہو ورنہ امام سے مقابلہ کیا جائے۔ دنیوی حکومت کے لالچ نے اس کو اس جنگ پر آمادہ کر دیا جس کو اس وقت وہ ناگوار سمجھتا تھا اور جس کے تصور سے اس کا دل کانپتا تھا۔ آخر کار ابن سعد وہ تمام عسا کر و افواج لے کر حضرت امام کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا اور ابن زیاد بد نہاد پیہم و متواتر کمک پر کمک بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمرو بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار و پیادہ جمع ہو گئے اور اس نے اس جمعیت کے ساتھ کربلا میں پہنچ کر فرات کے کنارے پڑاؤ کیا اور اپنا مرکز قائم کیا۔

حیرت ناک بات ہے اور دنیا کی کسی جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ گل بیاسی تو آدمی، ان میں بیبیاں بھی، بچے بھی، بیمار بھی، پھر وہ بھی با ارادہ جنگ نہیں آئے تھے اور انتظام حرب کافی نہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے بائیس ہزار کی جرار فوج بھیجی جائے۔ آخر وہ ان بیاسی نفوس مقدسہ کو اپنے خیال میں کیا سمجھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کے کیسے کیسے مناظر ان کی آنکھوں نے دیکھے

تھے کہ اس چھوٹی سی جماعت کے لیے دو گنی چو گنی دس گنی تو کیا سو گنی تعداد کو بھی کافی نہ سمجھا، بے اندازہ لشکر بھیج دیئے، فوجوں کے پہاڑ لگا ڈالے، اس پر بھی دل خوف زدہ ہیں اور جنگ آزماؤں، دلاوروں کے حوصلے پست ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ شیر ان حق کے حملے کی تاب لانا مشکل ہے مجبوراً یہ تدبیر کرنا پڑی کہ لشکر امام پر پانی بند کیا جائے، پیاس کی شدت اور گرمی کی حدت سے قومی مضمحل ہو جائیں، ضُغفِ انتہا کو پہنچ چکے تب جنگ شروع کی جائے۔

وہ ریگِ گرم اور وہ دھوپ اور وہ پیاس کی شدت

کریں صبر و تحمل میرِ کوثر، ایسے ہوتے ہیں

اہل بیت کرام پر پانی بند کرنے اور ان کے خونوں کے دریا بہانے کے لیے بے غیرتی سے سامنے آنے والوں میں زیادہ تعداد انھیں بے حیاءوں کی تھی جنہوں نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدا در خواستیں بھیج کر بلایا تھا اور مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حضرت امام کی بیعت کی تھی مگر آج دشمنان حمیت و غیرت کو نہ اپنے عہد و بیعت کا پاس تھا نہ اپنی دعوت و میزبانی کا لحاظ۔ فرات کا بے حساب پانی ان سیاہ باطنوں نے خاندان رسالت پر بند کر دیا تھا۔ اہل بیت کے چھوٹے چھوٹے خور و سال فاطمی چمن کے نونہال خشک لب، تشنہ دہان تھے، نادان بچے ایک ایک قطرہ کے لیے تڑپ رہے تھے، نور کی تصویریں پیاس کی شدت میں دم توڑ رہی تھیں، بیماروں کے لیے دریا کا کنار ا بیابان بنا ہوا تھا، آل رسول کو لبِ آب پانی میسر نہ آتا تھا، سرِ چشمہ تیمم سے نمازیں پڑھنی پڑتی تھیں، اس طرح بے آب و دانہ تین دن گذر گئے، چھوٹے چھوٹے بچے اور یہاں سب بھوک و پیاس سے بیتاب و تواں ہو گئے۔ اس معرکہ ظلم و ستم میں اگر ستم بھی ہوتا تو اس کے

حوصلے پست ہو جاتے اور سرِ نیاز جھکا دیتا مگر فرزندِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مصائب کا ہجوم جگہ سے نہ ہٹا سکا اور ان کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا۔ حق و صداقت کا حامی مصیبتوں کی بھیانک گھٹاؤں سے نہ ڈرا اور طوفانِ بلا کے سیلاب سے اس کے پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی، دین کا شیدائی دنیا کی آفتوں کو خیال میں نہ لایا، دس محرم تک یہی بحث رہی کہ حضرت امام یزید کی بیعت کر لیں۔ اگر آپ یزید کی بیعت کرتے تو وہ تمام لشکر آپ کے جلو میں ہوتا، آپ کا کمال اکرام و احترام کیا جاتا، خزانوں کے منہ کھول دیئے جاتے اور دولت دنیا قدموں پر لٹادی جاتی مگر جس کا دل حبِ دنیا سے خالی ہو اور دنیا کی بے ثباتی کا راز جس پر منکشف ہو وہ اس طلسم پر کب مفتوں ہوتا ہے، جس آنکھ نے حقیقی حسن کے جلوے دیکھے ہوں وہ نمائشی رنگ و روپ پر کیا نظر ڈالے۔

حضرت امام نے راحتِ دنیا کے منہ پر ٹھوکر ماردی اور راہِ حق میں پہونچنے والی مصیبتوں کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور باوجود اس قدر آفتوں اور بلاؤں کے ناجائز بیعت کا خیال اپنے قلب مبارک میں نہ آنے دیا اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی گوارا نہ فرمائی، اپنا گھر لٹانا اور اپنے خون بہانا منظور کیا مگر اسلام کی عزت میں فرق آنا برداشت نہ ہو سکا۔

دس محرم ۶۱ھ کے دلدار واقعات

جب کسی طرح شکل مصالحت پیدا نہ ہوئی اور کسی شکل سے جفا شعار قوم صلح کی طرف مائل نہ ہوئی اور تمام صورتیں ان کے سامنے پیش کر دی گئیں لیکن تشنگانِ خونِ اہل بیت کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی شکل خلاص کی باقی نہیں ہے نہ یہ شہر میں داخل ہونے دیتے ہیں نہ واپس جانے دیتے ہیں نہ ملک چھوڑنے پر ان کو تسلی ہوتی ہے۔ وہ جان کے خواہاں ہیں اور اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا۔ اس وقت حضرت امام نے اپنے قیام گاہ کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودی گئی اور اس کی صرف ایک راہ رکھی گئی ہے جہاں سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے۔ خندق میں آگ جلا دی گئی تاکہ اہل خیمہ دشمنوں کی ایذا سے محفوظ رہیں۔

دسویں محرم کا قیامت ٹمادن آیا۔ جمعہ کی صبح حضرت امام نے تمام اپنے رفقا اہل بیت کے ساتھ فجر کے وقت اپنی عمر کی آخری نماز باجماعت نہایت ذوق و شوق تضرع و خشوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے سجدوں میں خوب مزے لیے، زبانوں نے قرأت و تسبیحات کے لطف اٹھائے۔ نماز سے فراغ کے بعد خیمہ میں تشریف لائے، دسویں محرم کا آفتاب قریب طلوع ہے، امامِ عالی مقام

اور ان کے تمام رفقاء و اہل بیت تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں، ایک قطرہ آب میسر نہیں آیا اور ایک لقمہ حلق سے نہیں اترتا، بھوک پیاس سے جس قدر ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا وہی لوگ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی دو تین وقت کے فاقہ کی بھی نوبت آئی ہو۔ پھر بے وطنی، تیز دھوپ، گرم ریت، گرم ہوائیں، انہوں نے ناز پروردگانِ آغوشِ رسالت کو کیسا پڑا مردہ کر دیا ہو گا۔ ان غریبانِ بے وطن پر جو روجفا کے پہاڑ توڑنے کے لیے بائیس ہزار فوج اور تازہ دم لشکر تیر و تیر، تیغ و سناں سے مسلح صفیں باندھے موجود، جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور فاطمہ زہرا کے جگر بند کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔

حضرت امام نے عرصہ کارزار میں تشریف فرما کر ایک خطبہ فرمایا جس میں بیان فرمایا کہ خون ناحق حرام اور غضب الہی عزوجل کا موجب ہے، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم اس گناہ میں مبتلا نہ ہو، میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے، کسی کا گھر نہیں جلایا، کسی پر حملہ آور نہیں ہوا۔ اگر تم اپنے شہر میں میرا آنا نہیں چاہتے ہو تو مجھے واپس جانے دو، تم سے کسی چیز کا طلب گار نہیں، تمہارے درپے آزار نہیں، تم کیوں میری جان کے درپے ہو اور تم کس طرح میرے خون کے الزام سے بری ہو سکتے ہو۔ روزِ محشر تمہارے پاس میرے خون کا کیا جواب ہو گا۔ اپنا انجام سوچو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو، پھر یہ بھی سمجھو کہ میں کون اور بارگاہِ رسالت میں کس چشمِ کرم کا منظور نظر ہوں۔ میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لختِ جگر ہیں۔ میں انہیں بتولِ زہرا کا نورِ دیدہ ہوں جن کے پل صراط پر گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اے اہل محشر!

سر جھکاؤ اور آنکھیں بند کرو کہ حضرت خاتون جنت پل صراط سے ستر ہزار حوروں کو رکابِ سعادت میں لے کر گزرنے والی ہیں۔ میں وہی ہوں جس کی محبت کو سرورِ عالم علیہ السلام نے اپنی محبت فرمایا ہے، میرے فضائل تمہیں خوب معلوم ہیں، میرے حق میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ آپ کے تمام فضائل ہمیں معلوم ہیں مگر اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے، آپ جنگ کے لیے کسی کو میدان میں بھیجیے اور گفتگو ختم، فرمائیے۔

حضرت امام نے فرمایا کہ میں جیتیں ختم کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس جنگ کو دفع کرنے کی تدابیر میں سے میری طرف سے کوئی تدبیر رہ نہ جائے اور جب تم مجبور کرتے ہو تو بہ مجبوری و ناچاری مجھ کو تلوار اٹھانا ہی پڑے گی۔ ہنوز گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گروہِ اعداء میں سے ایک شخص گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا (جس کا نام مالک بن عروہ تھا) جب اس نے دیکھا کہ لشکرِ امام کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جاتی ہے تو اس گستاخ بدباطن نے حضرت امام سے کہا کہ اے حسین تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی۔ حضرت امام عالی مقام علی جدہ و علیہ السلام نے فرمایا: كَذَبْتَ يَا اَدُوَّاللّٰهِ: اے دشمنِ خدا! تو کاذب ہے۔ تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا؟

مسلم بن عوسجہ کو مالک بن عروہ کا یہ کلمہ بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے حضرت امام سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی۔ صبر و تحمل اور تقویٰ اور راست بازی اور عدالت و انصاف کا ایک عدیم المثال منظر ہے کہ ایسی

حالت میں جب کہ جنگ کے لیے مجبور کیے گئے تھے۔ خون کے پیاسے تلواریں کھینچے ہوئے جان کے خواہاں تھے۔ بے باکوں نے کمال بے ادبی و گستاخی سے ایسا کلمہ کہا اور ایک جاں نثار اس کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہتا ہے تو اس وقت اپنے جذبات قبضہ میں ہیں طیش نہیں آتا۔ فرماتے ہیں کہ خبردار! میری طرف سے کوئی جنگ کی ابتداء نہ کرے تاکہ اس خونریزی کا وبال اعداء ہی کی گردن پر رہے اور ہمارا دامن اقدام سے آلودہ نہ ہو لیکن تیرے جراحۃ قلب کا مرہم بھی میرے پاس ہے اور تیرے سوزِ جگر کی تشفی کی بھی تدبیر رکھتا ہوں، اب تو دیکھ! یہ فرما کر دست دعا دراز فرمائے اور بارگاہِ الہی عزوجل میں عرض کیا کہ یارب! عزوجل عذاب نار سے قبل اس گستاخ کو دنیا میں آتش عذاب میں مبتلا کر۔ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا اور وہ گھوڑے سے گر اور اس کا پاؤں رکاب میں الجھا اور گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔

حضرت امام نے سجدۂ شکر کیا اور اپنے پروردگار عزوجل کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہل بیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔ حضرت امام کی زبان سے یہ کلمہ سن کر صفِ اعداء میں سے ایک اور بے باک نے کہا کہ آپ کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ یہ کلمہ تو امام کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ آپ نے اس کے لیے بھی بدعا فرمائی اور عرض کیا یارب! اس بد زبان کو فوری عذاب میں گرفتار کر۔ امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی، گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے حاجت کے لیے برہنہ ہو کر بیٹھا۔ ایک سیاہ بچھونے ڈنگ مارا تو

نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا۔ اس رسوائی کے ساتھ تمام لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دلان بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

ایک شخص مزنی نے امام کے سامنے آ کر کہا کہ اے امام! دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت امام نے اس کے حق میں فرمایا: اللّٰهُمَّ اَمِّتْهُ عَطَشًا يَّارِب! اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا چمکا، مزنی گرا، گھوڑا بھاگا اور مزنی اس کے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس پر غالب ہوئی، اس شدت کی غالب ہوئی کہ الْعَطَشُ الْعَطَشُ پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہ پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی شدت پیاس میں مر گیا۔

فرزندِ رسول کو یہ بات بھی دکھا دینا تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہِ حق پر اور ان کے قرب و منزلت پر جیسی کہ نصوص کثیرہ و احادیث شہیرہ شاہد ہیں ایسے ہی ان کے خوارق و کرامات بھی گواہ ہیں۔ اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمامِ حجت کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلہ میں آنا خدا عزوجل سے جنگ کرنا ہے اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے اور دنیائے ناپائیدار کی حرص کا بھوت جو ان کے سروں پر سوار تھا اس نے انہیں اندھا بنا دیا اور نیزے باز لشکر اعداء سے نکل کر رجز خوانی کرتے ہوئے میدان میں آکودے اور تکبر و تجتر کے ساتھ اترتے ہوئے گھوڑے دوڑا کر اور ہتھیار چمکا کر امام سے مبارز کے طالب ہوئے۔

حضرت امام اور امام کے خاندان کے نونہال شوق جانبازی میں سرشار تھے۔ انھوں نے میدان میں جانا چاہا لیکن قریب کے گاؤں والے جہاں اس ہنگامے کی خبر پہنچی تھی وہاں کے مسلمان بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہو گئے تھے انھوں نے اصرار کیے حضرت کے درپے ہو گئے اور کسی طرح راضی نہ ہوئے کہ جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ ہے خاندانِ اہل بیت کا کوئی بچہ بھی میدان میں جائے۔ حضرت امام کو ان اخلاص کیشوں کی سرفروشانہ التجائیں منظور فرمانا پڑیں اور انھوں نے میدان میں پہنچ کر دشمنانِ اہل بیت سے شجاعت و بسالت کے ساتھ مقابلے کیے اور اپنی بہادری کے سکے جمادیئے اور ایک ایک نے اعداء کی کثیر تعداد کو ہلاک کر کے راہِ جنت اختیار کرنا شروع کی۔ اس طرح بہت سے جانباز فرزند ان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی جانیں نثار کر گئے۔ ان صاحبوں کے اسماء اور ان کی جانبازیوں کے تفصیلی تذکرے سیر کی کتابوں میں مسطور ہیں۔ یہاں اختصاراً اس تفصیل کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

وہب ابن عبد اللہ کلبی کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے زیبا و نیک خو، گلرخ حسین جوان تھے، اٹھتی جوانی اور عنفوانِ شباب، امنگوں کا وقت اور بہاروں کے دن تھے۔ صرف سترہ روز شادی کو ہوئے تھے اور ابھی بساطِ عشرت و نشاط گرم ہی تھی کہ آپ کے پاس آپ کی والدہ پہنچیں جو ایک بیوہ عورت تھیں اور جن کی ساری کمائی اور گھر کا چراغ یہی ایک نوجوان بیٹا تھا۔ اس مُشفق ماں نے پیارے بیٹے کے گلے میں باہیں ڈال کر رونا شروع کر دیا۔ پنا حیرت میں آکر ماں سے دریافت کرتا ہے کہ مادر محترمہ رنج و ملال کا سبب کیا ہے؟ میں نے اپنی عمر میں کبھی آپ کی نافرمانی نہ کی نہ آئندہ کر سکتا ہوں۔

آپ کی اطاعت و فرماں برداری فرض ہے اور میں تابہ زندگی مطیع و فرماں بردار رہوں گا۔ آپ کے دل کو کیا صدمہ پہنچا اور آپ کو کس غم نے رلایا؟ میری پیاری ماں! میں آپ کے حکم پر جان فدا کرنے کو تیار ہوں آپ غمگین نہ ہوں۔ اکلوتے سعادت مند بیٹے کی یہ سعادت مندانہ گفتگو سن کر ماں اور چیچ مار کر رونے لگی اور کہنے لگی، اے فرزندِ دلہند! میری آنکھ کا نور دل کا سرور تو ہی ہے اور اے میرے گھر کے چراغ اور میرے باغ کے پھول! میں نے اپنی جان گھلا گھلا کر تیری جوانی کی بہار پائی ہے، تو ہی میرے دل کا قرار ہے تو ہی میری جان کا چین ہے، ایک دم تیری جدائی اور ایک لمحہ تیرا افتراق مجھے برداشت نہیں ہو سکتا۔

چوں در خواب باشم توئی در خیالم

چوں بیدار گردم توئی در ضمیرم

اے جان مادر! میں نے تجھے اپنا خونِ جگر پلایا ہے۔ آج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر گوشہ، خاتونِ جنت کا نونہال دشتِ کربلا میں مبتلائے مصیبت و جفا ہے، پیارے بیٹے! کیا تجھ سے ہو سکتا ہے کہ تو اپنا خون اس پر نثار کرے اور اپنی جان اس کے قدموں پر قربان کر ڈالے۔ اس بے غیرت زندگی پر ہزار تف ہے کہ ہم زندہ رہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لاڈلا ظلم و جفا کے ساتھ شہید کیا جائے اگر تجھے میری محبتیں کچھ یاد ہوں اور تیری پرورش میں جو محنتیں میں نے اٹھائی ہیں ان کو تو بھولا نہ ہو تو اے میرے چمن کے پھول! تو حسین کے سر پر صدقہ ہو جا۔ وہب نے کہا: اے مادر مہربان! خوبی نصیب، یہ جان، شہزادہ کو نین پر فدا ہو جائے اور یہ ناچیز ہدیہ وہ آقا قبول کر لیں۔ میں دل و جان سے آمادہ ہو

ں، ایک لمحہ کی اجازت چاہتا ہوں تاکہ اس بی بی سے دو باتیں کر لوں جس نے اپنی زندگی کے عیش و راحت کا سہرا میرے سر باندھا ہے اور جس کے ارمان میرے سوا کسی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، اس کی حسرتوں کے تڑپنے کا خیال ہے، وہ اگر صبر نہ کر سکی تو میں اس کو اجازت دے دوں کہ وہ اپنی زندگی کو جس طرح چاہے گزارے۔ ماں نے کہا: بیٹا! عورتیں ناقص العقول ہوتی ہیں۔ مبادا تو اس کی باتوں میں آجائے اور یہ سعادت سرمدی تیرے ہاتھوں سے جاتی رہے۔

وہب نے کہا: پیاری ماں، امام حسین علی جدہ و علیہ السلام کی محبت کی گرہ دل میں ایسی مضبوط لگی ہے کہ اس کو کوئی کھول نہیں سکتا اور ان کی جان ثاری کا نقش دل پر اس طرح جاگزیں ہوا ہے جو دنیا کے کسی بھی پانی سے نہیں دھویا جاسکتا ہے۔ یہ کہہ کر بی بی کی طرف آیا اور اسے خبر دی کہ فرزند رسول میدانِ کربلا میں بے بار و مدد گار ہیں اور غداروں نے ان پر نرغہ کیا ہے۔ میری تمنا ہے کہ ان پر جان نثار کروں۔ یہ سن کر نئی دلہن نے امید بھرے دل سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگی، اے میرے آرام جاں! افسوس یہ ہے کہ اس جنگ میں میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتی، شریعتِ اسلامیہ نے عورتوں کو حرب کے لیے میدان میں آنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ افسوس! اس سعادت میں میرا حصہ نہیں کہ تیرے ساتھ میں بھی اس جان جہاں پر جان قربان کروں ابھی میں نے دل بھر کے تیرا چہرہ بھی نہیں دیکھا ہے اور تو نے جنتی چمنستان کا ارادہ کر دیا وہاں حوریں تیری خدمت کی آرزو مند ہوں گی۔ مجھ سے عہد کر کہ جب سردارانِ اہل بیت کے ساتھ جنت میں تیرے لیے بے شمار نعمتیں حاضر کی جائیں گی اور بہشتی حوریں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں اس وقت تو مجھے نہ بھول جائے۔

یہ نوجوان اپنی اس نیک بی بی اور برگزیدہ ماں کو لے کر فرزندِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دلہن نے عرض کیا: یا ابن رسول! شہداء گھوڑے سے زمین پر گرتے ہی حوروں کی گود میں پہنچتے ہیں اور بہشتی حسین کمالِ اطاعت شعاری کے ساتھ ان کی خدمت کرتے ہیں، میرا یہ نوجوان شوہر حضور پر جاں نثاری کی تمنا رکھتا ہے اور میں نہایت بے کس ہوں، نہ میری ماں ہے نہ باپ ہے نہ کوئی بھائی ہے نہ ایسے قرابتی رشتہ دار ہیں جو میری کچھ خبر گیری کر سکیں۔ التجا یہ ہے کہ عرصہ گاہ محشر میں میرے اس شوہر سے جدائی نہ ہو اور دنیا میں مجھ غریب کو آپ کے اہل بیت اپنی کنیزوں میں رکھیں اور میری عمر کا آخری حصہ آپ کی پاک بیبیوں کی خدمت میں گزر جائے۔

حضرت امام کے سامنے یہ تمام عہد ہو گئے اور وہب نے عرض کر دیا کہ اے امام! اگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے جنت ملی تو میں عرض کروں گا کہ یہ بی بی میرے ساتھ رہے اور میں نے اس سے عہد کیا ہے۔ وہب اجازت چاہ کر میدان میں چل دیا۔ لشکر اعداء نے دیکھا کہ گھوڑے پر ایک ماہر و سوار ہے اور اجل ناگہانی کی طرح دشمن پر تاخت لاتا ہے، ہاتھ میں نیزہ ہے، دوش پر سپر ہے اور دل ہلا دینے والی آواز کے ساتھ یہ رجز پڑھتا آرہا ہے:

أَمِيرٌ حُسَيْنٌ وَ نِعْمَ الْأَمِيرُ
لَهُ لَبَعَةٌ كَالسِّرَاجِ الْمُنِيرِ
اين چہ ذوقست کہ جاں می بازد
وہب کلبی بسگ کوٹے حسین

دست او تیغ زند تاکہ کند

روئے اشرار چو گیسوئے حسین

برق خاطف کی طرح میدان میں پہنچا۔ کوہ پیکر گھوڑے پر سپہ گرمی کے فنون دکھائے۔ صف اعداء سے مبارز طلب کیا جو سامنے آیا تلوار سے اس کا سراڑایا، گرد و پیش خود سروں کے سروں کا انبار لگا دیا اور ناکسوں کے تن خون و خاک میں تڑپتے نظر آنے لگے، یکبارگی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور ماں کے پاس آ کر عرض کیا کہ اے مادر مشفقہ! تو مجھ سے راضی ہوئی اور بیوی کی طرف جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا جو بیقرار رہی تھی اور اس کو صبر دلایا اس کی زبان حال کہتی تھی:

جان ز غم فرسودہ دارم، چوں نہ نالم آہ آہ!!

دل بدر آلودہ دارم، چوں نہ گریم زار زار!!

اتنے میں اعداء کی طرف سے آواز آئی کہ کیا کوئی مبارز ہے۔ وہب گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی طرف روانہ ہوا۔ نئی دلہن ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہی ہے اور آنکھوں سے آنسو کے دریا بہا رہی ہے۔

از پیش من آں یار چوں تعجیل کناں رفت

دل نعرہ بر آورد کہ جاں رفت رواں رفت

وہب شیر زیاں کی طرح تیغ آبدار و نیزہ جاں شکار لے کر معرکہ کارزار میں صاعقہ وار آپہنچا۔ اس وقت میدان میں اعداء کی طرف سے ایک مشہور بہادر اور نامدار سوار حکم بن طفیل غرور نبرد آزمائی میں سرشار تھا۔ وہب نے ایک ہی حملے میں اس کو نیزہ پر اٹھا کر اس طرح زمین پر دے مارا کہ ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں

اور دونوں لشکروں میں شور مچ گیا اور مبارزوں میں ہمت مقابلہ نہ رہی وہب گھوڑا دوڑاتا قلب دشمن پر پہنچا، جو مبارز سامنے آتا اس کو نیزہ کی نوک پر اٹھا کر خاک پر پٹک دیتا یہاں تک کہ نیزہ پارہ پارہ ہو گیا، تلوار میان سے نکالی اور تیغ زنوں کی گردنیں اڑا کر خاک میں ملا دیں۔ جب اعداء اس جنگ سے تنگ آگئے تو عمر بن سعد نے حکم دیا کہ لوگ اس کے گرد ہجوم کر کے حملہ کر دیں اور ہر طرف سے یکبارگی ہاتھ چھوڑیں ایسا ہی کیا اور جب وہ نوجوان زخموں سے چور ہو کر زمین پر آیا تو سیاہِ دلانِ بد باطن نے اس کا سر کاٹ کر لشکرِ امام حسین میں ڈال دیا۔ اس کی ماں بیٹے کے سر کو اپنے منہ سے ملتی تھی اور کہتی تھی اے بیٹا! بہادر بیٹا! اب تیری ماں تجھ سے راضی ہوئی۔ پھر وہ سر اس دلہن کی گود میں لا کر رکھ دیا، دلہن نے اپنے پیارے شوہر کے سر کو بوسہ دیا۔ اسی وقت پروانہ کی طرح اس شمعِ جمال پر قربان ہو گئی اور اس کا طائرِ روح اپنے نوشاہ کے ساتھ ہم آغوش ہو گیا۔

سر خروئی اسے کہتے ہیں کہ راہِ حق میں
سر کے دینے میں ذرا تو نے تامل نہ کیا

أَسْكَنَكُمَا اللَّهُ فَرَادَيْسَ الْجَنَّةِ وَأَعْرَقَكُمَا فِي بَحَارِ الرَّحْمَةِ وَالرِّضْوَانِ (روضۃ الاحباب)

ان کے بعد اور سعادت مند جاں نثار، دادِ جان نثاری دیتے اور جانیں فدا کرتے رہے۔ جن جن خوش نصیبوں کی قسمت میں تھا انھوں نے خاندانِ اہل بیت پر اپنی جانیں فدا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس زمرہ میں خربن یزید ریاحی قابل ذکر ہے۔ جنگ کے وقت خُر کا دل بہت مضطرب تھا اور اس کی سیماب دار بیقرار رہی

اس کو ایک جگہ نہ ٹھہرنے دیتی تھی، کبھی وہ عمر بن سعد سے جا کر کہتے تھے کہ تم امام کے ساتھ جنگ کرو گے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا جواب دو گے؟ عمر بن سعد کو اس کا جواب نہ بن آتا تھا۔

وہاں سے ہٹ کر پھر میدان میں آتے ہیں، بدن کانپ رہا ہے، چہرہ زرد ہے، پریشانی کے آثار نمایاں ہیں، دل دھڑک رہا ہے، ان کے بھائی مصعب بن یزید نے ان کا یہ حال دیکھ کر پوچھا کہ اے برادر! آپ مشہور جنگ آزما اور دلاور و شجاع ہیں، آپ کے لیے یہ پہلا ہی معرکہ نہیں بارہا جنگ کے خونیں مناظر آپ کی نظر کے سامنے گزرے ہیں اور بہت سے دیوپیکر آپ کی خون آشام تلوار سے پیوند خاک ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ کیا حال ہے اور آپ پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ خُرنے کہا کہ اے برادر! یہ مصطفیٰ کے فرزند سے جنگ ہے، اپنی عاقبت سے لڑائی ہے، میں بہشت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں، دنیا پوری قوت کے ساتھ مجھ کو جہنم کی طرف کھینچ رہی ہے اور میرا دل اس کی ہیبت سے کانپ رہا ہے۔ اسی اثناء میں حضرت امام کی آواز آئی فرماتے ہیں: کوئی ہے جو آج آل رسول پر جان نثار کرے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں سرخروئی پائے۔

یہ صدا تھی جس نے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں، دل بے تاب کو قرار بخشا اور اطمینان ہوا کہ شاہزادہ کونین میری پہلی جرأت سے چشم پوشی فرمائیں تو عجب نہیں۔ کریم نے کرم سے بشارت دی ہے، جان فدا کرنے کے ارادہ سے چل پڑو۔ گھوڑا دوڑایا اور وہم عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو کر گھوڑے سے اتر کر نیاز مندوں کے طریقہ پر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ اے ابن رسول!

صلی اللہ علیہ وسلم، فرزند بتول! میں وہی حر ہوں جو پہلے آپ کے مقابل آیا اور جس نے آپ کو اس میدان بیابان میں روکا۔ اپنی اس جسارت و مبادرت پر نادم ہوں، شرمندگی اور خجالت نظر نہیں اٹھانے دیتی، آپ کی کریمانہ صدا سن کر امیدوں نے ہمت بندھائی تو حاضر خدمت ہوا ہوں، آپ کے کرم سے کیا بعید کہ عفو جرم فرمائیں اور غلامانِ بااخلاص میں شامل کریں اور اپنے اہل بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت دیں۔

حضرت امام نے حُر کے سر پر دست مبارک رکھا اور فرمایا: اے حُر! بارگاہِ الہی میں اخلاص مندوں کے استغفار مقبول ہیں اور توبہ مستجاب، عذر خواہ محروم نہیں جاتے وَ هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ۔ شادباش کہ میں نے تیری تقصیر معاف کی اور اس سعادت کے حصول کی اجازت دی۔

حُر، اجازت پا کر میدان کی طرف روانہ ہوا، گھوڑا چمکا کر صفِ اعداء پر پہنچا، حُر کے بھائی مصعب بن یزید نے دیکھا کہ حُر نے دولت سعادت پائی اور نعمت آخرت سے بہرہ مند ہوا اور حُر صِ دنیا کے غبار سے اس کا دامن پاک ہوا، اس کے دل میں بھی دلولہ اٹھا اور باگ اٹھا کر گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا۔ عمر بن سعد کے لشکر کو گمان ہوا کہ بھائی کے مقابلہ کے لیے جاتا ہے۔ جب میدان میں پہنچا، بھائی سے کہنے لگا:

بھائی! تو میرے لیے خضرِ راہ ہو گیا اور مجھے تو نے سخت ترین مہلکے سے نجات دلائی، میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور رفاقتِ حضرتِ امام کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اعدائے بد کیش کو اس واقعہ سے نہایت حیرانی ہوئی۔ یہ واقعہ دیکھ کر عمر بن سعد کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور وہ گھبرا اٹھا اور اس نے ایک شخص

کو منتخب کر کے اس کے لیے بھیجا اور کہا کہ رفق و مدارات کے ساتھ سمجھا بہکا کر
 خُر کو اپنے موافق کرنے کی کوشش کرے اور اپنی چالبازی اور فریب کاری
 انتہا کو پہنچا دے۔ پھر بھی ناکامی ہو تو اس کا سر کاٹ کر لے آئے۔ وہ شخص چلا
 اور خُر سے آ کر کہنے لگا:

اے حر! تیری عقل و دانائی پر ہم فخر کیا کرتے تھے مگر آج تو نے کمال
 نادانی کی کہ اس لشکرِ جَزَّار سے نکل کر یزید کے انعام و اکرام پر ٹھوکر مار کر چند
 بیس مسافروں کا ساتھ دیا جن کے ساتھ نان خشک کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک
 قطرہ بھی نہیں ہے، تیری اس نادانی پر افسوس آتا ہے۔

حر نے کہا: اے بے عقل ناصح تجھے اپنی نادانی پر رنج کرنا چاہیے کہ تو
 نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دولت باقی کے مقابلہ میں دنیائے فانی کے
 مَوہوم آرام کو ترجیح دی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین
 کو اپنا پھول فرمایا ہے۔ میں اس گلستانِ رسالت پر جان قربان کرنے کی تمنا
 رکھتا ہوں، رضائے رسول سے بڑھ کر کونین میں کونسی دولت ہے۔

کہنے لگا: اے حر! یہ تو میں بھی خوب جانتا ہوں لیکن ہم لوگ سپاہی ہیں
 اور آج دولت و مال یزید کے پاس ہے۔

حر، نے کہا: اے کم ہمت! اس حوصلہ پر لعنت! اب تو ناصح بد باطن
 کو یقین ہو گیا کہ اس کی چڑب زبانی، خُر، پر اثر نہیں کر سکتی۔ اہل بیت کی محبت
 اس کے قلب میں اتر گئی ہے اور اس کا سینہ آلِ رسول علیہ السلام کی ولا سے
 منملو ہے۔ کوئی مکرو فریب اس پر نہ چلے گا۔ باتیں کرتے کرتے ایک تیر خُر کے
 سینہ پر کھینچ مارا، خُر نے زخم کھا کر ایک نیزہ کا وار کیا جو سینہ سے پار ہو گیا اور

زین سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ اس شخص کے تین بھائی تھے، یکبارگی حر پر دوڑ پڑے، حر نے آگے بڑھ کر ایک کاسر تلوار سے اڑا دیا۔ دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا کر اس طرح پھینکا کہ گردن ٹوٹ گئی۔ تیسرا بھاگ نکلا اور حر نے اس کا تعاقب کیا، قریب پہنچ کر اس کی پشت پر نیزہ مارا وہ سینہ سے نکل گیا، اب حر نے لشکر ابن سعد کے میمنہ پر حملہ کیا اور خوب زور کی جنگ ہوئی، لشکر ابن سعد کو حر کے جنگی ہنر کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ جانناز صادق دادِ شجاعت دے کر فرزندِ رسول پر جان فدا کر گیا۔

حضرت امام عالی مقام حر، کو اٹھا کر لائے اور اس کے سر کو زانوئے مبارک پر رکھ کر اپنے پاک دامن سے اس کے چہرے کا غبار دور فرمانے لگے، ابھی رَمَقِ جان باقی تھی، ابن زہرا کے پھول کے مہکتے دامن کی خوشبو حر کے دماغ میں پہنچی، مَشَامِ جاں معطر ہو گیا، آنکھیں کھول دیں، دیکھا کہ ابن رسول اللہ کی گود میں ہے۔ اپنے بخت و مقدر پر ناز کرتا ہوا فردوس بریں کو روانہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

حر، کے ساتھ اس کے بھائی اور غلام نے بھی نوبت بہ نوبت دادِ شجاعت دے کر اپنی جانیں اہل بیت پر قربان کیں۔ سچاس سے زیادہ آدمی شہید ہو چکے اب صرف خاندان اہل بیت باقی ہے اور دشمنان بد باطن کی انھیں پر نظر ہے یہ حضر ات پروانہ وار حضرت امام پر شمار ہیں۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ امام عالی مقام کے اس چھوٹے سے لشکر میں سے اس مصیبت کے وقت میں کسی نے بھی ہمت نہ ہاری، رُفقا اور موالی میں سے کسی کو بھی تو اپنی جان پیاری نہ معلوم ہوئی، ساتھیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی جان لے کر بھاگتا یا دشمنوں کی پناہ

چاہتا۔ جان نثار ان امام نے اپنے صدق و جانبازی میں پروانہ و بلبل کے افسانے ہیج کر دیئے، ہر ایک کی تمنا تھی اور ہر ایک کا اصرار تھا کہ پہلے جاں نثاری کو ان کو موقع دیا جائے، عشق و محبت کے متوالے شوق شہادت میں مست تھے، تنوں کا سر سے جدا ہونا اور راہِ خدا میں شہادت پانا ان پر وجد کی کیفیت طاری کرتا تھا، ایک کو شہید ہوتا دیکھ کر دوسرے کے دلوں میں شہادتوں کی امنگیں جوش مارتی تھیں۔

اہل بیت کے نوجوانوں نے خاکِ کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت و جوانمردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو تَبَدُّلِ اَزْمَنَہ کے ہاتھ محو کرنے سے قاصر ہیں۔

اب تک نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے علم بردار ان شجاعت کو خاک و خون میں لٹا کر اپنی بہادری کے غلغلے دکھائے تھے اب اسد اللہ کے شیر ان حق کا موقع آیا اور علی مرتضیٰ کے خاندان کے بہادروں کے گھوڑوں نے میدانِ کربلا کو جولا نگاہ بنایا۔

ان حضرات کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کے حملوں سے شیر دل بہادر چیخ اٹھے، اسد اللہ تلواریں تھیں یا شہابِ ثاقب کی آتش باری، بنی ہاشم کی نبرد آزمائی اور جاں شکار حملوں نے کربلا کی تشنہ لب زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا اور خشک ریگستان سرخ نظر آنے لگا۔ نیزوں کی نوکوں پر صرف شکن بہادروں کو اٹھانا اور خاک میں ملانا ہاشمی نوجوانوں کا معمولی کرتب تھا، ہر ساعت نیا مبارز آتا تھا اور ہاتھ اٹھاتے ہی فنا ہو جاتا تھا، ان کی تیغ بے نیام اجل کا پیام تھی اور نوکِ سناں قضا کا فرمان، تلواروں

کی چمک نے نگاہیں خیرہ کر دیں اور حرب و ضرب کے جوہر دیکھ کر کوہ پیکر ترساں و ہراساں ہو گئے۔ کبھی میمنہ پر حملہ کیا تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں معلوم ہوتا تھا کہ سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے کبھی میسرہ کی طرف رخ کیا تو معلوم ہوا کہ مردوں کی جماعت کھڑی تھی جو اشارہ کرتے ہی لوٹ گئی۔ صاعقہ کی طرح چمکنے والی تیغ خون میں ڈوب ڈوب کر نکلتی تھی اور خون کے قطرات اس سے ٹپکتے رہتے تھے۔ اس طرح خاندان امام کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا دکھا کر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جان قربان کرتے چلے جا رہے تھے۔ خیمہ سے چلتے تھے تو، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے چمنستان کی دلکش فضا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتی تھی۔ میدانِ کربلا کی راہ سے اس منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔

فرزندانِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاربہ نے دشمن کے ہوش اڑادیئے، ابن سعد نے اعتراف کیا کہ اگر فریب کاریوں سے کام نہ لیا جاتا یا ان حضرات پر پانی بند نہ کیا جاتا تو اہل بیت کا ایک ایک نوجوان تمام لشکر کو برباد کر ڈالتا۔ جب وہ مقابلہ کے لیے اٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قہر الہی آرہا ہے، ان کا ایک ایک ہنرور، صف شکنی و مبارز فگنی میں فرد تھا۔ الحاصل اہل بیت کے نو نہالوں اور ناز کے پالوں نے میدانِ کربلا میں حضرت امام پر اپنی جانیں فدا کیں اور تیر و سناں کی بارش میں حمایتِ حق سے منہ نہ موڑا، گردنیں کٹوائیں، خون بہائے، جانیں دیں مگر کلمہ ناصح زبان پر نہ آنے دیا، نوبت بہ نوبت تمام شہزادے شہید ہوتے چلے گئے۔ اب حضرت امام کے سامنے ان کے نورِ نظر حضرت علی اکبر حاضر ہیں، میدان کی اجازت چاہتے ہیں، منّت و سماجت ہو رہی ہے، عجیب وقت

ہے، چہیتا بیٹا شفیق باپ سے گردن کٹوانے کی اجازت چاہتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے جس کی کوئی ہٹ، کوئی ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی، جس نازنین کو کبھی پدر مہربان نے انکاری جواب نہ دیا تھا آج اس کی یہ تمنا یہ التجادل و جگر پر کیا اثر کرتی ہو گی۔ اجازت دیں تو کس بات کی! گردن کٹانے اور خون بہانے کی! نہ دیں تو چمنستان رسالت کا وہ گل شاداب کملا یا جاتا ہے مگر اس آرزو مند شہادت کا اصرار اس حد پر تھا اور شوق شہادت نے ایسا وارفتہ بنا دیا تھا کہ چارونا چار حضرت امام کو اجازت دینا ہی پڑی۔

حضرت امام نے اس نوجوان جمیل کو خود گھوڑے پر سوار کیا، اسلحہ اپنے دست مبارک سے لگائے، فولادی مغفر سر پر رکھا، کمر پر پٹکا باندھا، تلوار حمانک کی، نیزہ اس ناز پروردہ سیادت کے مبارک ہاتھ میں دیا اس وقت اہل بیت کی بیبیوں بچوں پر کیا گزر رہی تھی جن کا تمام کنبہ و قبیلہ برادر و فرزند سب شہید ہو چکے تھے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بھی آخری سلام کر رہا تھا۔ ان تمام مصائب کو اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رضائے حق کے لیے بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور یہ انھیں کا حوصلہ تھا۔

حضرت علی اکبر خیمہ سے رخصت ہو کر میدان کارزار کی طرف تشریف فرما ہوئے، جنگ کے مطلع میں ایک آفتاب چمکا، مشکین کا گل کی خوشبو سے میدان مہک گیا، چہرہ کی تجلی نے معرکہ کارزار کو عالم انوار بنا دیا۔

نور نگاہ فاطمہ آسماں جناب
صبر دل خدیجہ پاک ارم قباب

لخت دل امام حسین ابن ابی تراب
 شیر خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
 صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لاجواب
 گیسو تھے مشک ناب تو چہرہ تھا آفتاب
 چہرہ سے شاہزادہ کا اٹھا جیہی نقاب
 مہر سپہر ہو گیا نخلت سے آب آب
 کاکل کی شام رخ کی سحر موسم شباب
 سنبل نثار شام فدائے سحر گلاب
 شہزادہ جلیل علی اکبر جمیل
 بتان حسن میں گل خوش منظر شباب
 پالا تھا اہل بیت نے آغوش ناز میں
 شرمندہ اس کی ناز کی سے شیشہ حباب
 صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا
 چمکا جو رن میں فاطمہ زہرا کا ماہتاب
 خورشید جلوہ گر ہوا پشتِ سمند پر
 یا ہاشمی جوان کے رخ سے اٹھا نقاب
 صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں
 جرأت نے باگ تھامی شجاعت نے کی رکاب
 چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں
 دل کانپ اٹھے ہو گیا اعداء کو اضطراب

سینوں میں آگ لگ گئی اعدائے دین کے
 غیظ و غضب کے شعلوں سے دل ہو گئے کباب
 نیزہ جگر شکاف تھا اس گل کے ہاتھ میں
 یا اژدہا تھا موت کا، یا اسوء العقاب
 چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا
 اس سے نظر ملاتا یہ تھی کس کے دل میں تاب
 کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں
 ایسا شجاع ہوتا جو اس شیر کا جواب
 مردانِ کار لرزہ براندام ہو گئے
 شیر اقلنوں کی حالتیں ہونے لگیں خراب
 کوہ پیکروں کو تیغ سے دو پارہ کر دیا
 کی ضرب خود پر تو اڑا ڈالا تا رکاب
 تلوار تھی کہ صاعقہ برق بار تھا
 یا ازبرائے رجم شیاطین تھا شہاب
 چہرہ میں آفتاب نبوت کا نور تھا
 آنکھوں میں شانِ صولتِ سرکارِ بو تراب
 پیاسا رکھا جنھوں نے انہیں سیر کر دیا
 اس جود پر ہے آج تری تیغ زہر آب
 میداں میں اس کے حسنِ عمل دیکھ کر نعیم
 حیرت سے بدحواس تھے، جتنے تھے شیخ و شاب

میدان کربلا میں فاطمی نوجوان پُشتِ سَمند پر جلوہ آرا تھا، چہرہ کی تابش ماہِ تاباں کو شرمایہ تھی، سرو قامت نے اپنے جمال سے ریگستان کو بستانِ حسن بنا دیا، جوانی کی بہاریں قدموں پر نثار ہو رہی تھیں، سنبل کا گل سے نخل، برگِ گل اس کی نزاکت سے مُنْفَعِل، حسن کی تصویر، مصطفیٰ کی تنویر حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے جمالِ اقدس کا خطبہ پڑھ رہی تھی، یہ چہرہ تاباں اس روئے درخشاں کی یاد دلا رہا تھا۔ ان سنگدلوں پر حیرت جو اس گلِ شاداب کے مقابلہ کا ارادہ رکھتے تھے، ان بے دینوں پر بے شمار نفرت جو حبیبِ خدا کے نونہال کو گزند پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ اسد اللہی شیر میدان میں آیا، صفِ اعداء کی طرف نظر کی، ذوالفقارِ حیدری کوچکا یا اور اپنی مبارک زبان سے رجز شروع کی:

أَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ

نَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ أَوْلَىٰ بِالنَّبِيِّ

جس وقت شاہزادہ عالی قدر نے یہ رجز پڑھی ہو گی کربلا کا چپہ چپہ اور ریگستان کوفہ کا ذرہ ذرہ کانپ گیا ہو گا۔ ان مدعیانِ ایمان کے دل پتھر سے بدرجہا بدتر تھے جنہوں نے اس نوبادہ چمنستانِ رسالت کی زبانِ شیریں سے یہ کلمے سنے پھر بھی ان کی آتشِ عناد سُرُود نہ ہوئی اور کمینہ سینہ سے کینہ دور نہ ہوا۔ لشکریوں نے عمر بن سعد سے پوچھا: یہ سوار کون ہے جس کی تجلی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جس کی ہیبت و صولت سے بہادروں کے دل ہراساں ہیں، شانِ شجاعت اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہے۔

کہنے لگا: یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔ صورت و سیرت میں اپنے جدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ سن

کر لشکریوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور ان کے دلوں نے ان پر ملامت کی کہ اس آقا زادے کے مقابل آنا اور ایسے جلیل القدر مہمان کے ساتھ یہ سلوک بے مروتی کرنا نہایت سفلہ پن اور بد باطنی ہے، لیکن ابن زیاد کے وعدے اور یزید کے انعام و اکرام و طمع دولت و مال کی حرص نے اس طرح گرفتار کیا تھا کہ وہ اہل بیت اطہار کی قدر و شان اور اپنے افعال و کردار کی شامت و نحوست جاننے کے باوجود اپنے ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باغی بنے اور آل رسول کے خون سے کنارہ کرنے اور اپنے دارین کی رو سیاہی سے بچنے کی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی شاہزادہ عالی وقار نے مبارز طلب فرمایا صف اعداء میں کسی کو جنبش نہ ہوئی، کسی بہادر کا قدم نہ بڑھا، معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے مقابل بکریوں کا ایک گلہ ہے جو دم بخود اور ساکت ہے۔

حضرت علی اکبر نے پھر نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ظالمان جفا کیش! اگر بنی فاطمہ کے خون کی پیاس ہے تو تم میں سے جو بہادر ہو اسے میدان میں بھیجو، زور بازوئے علی دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ۔ مگر کس کو ہمت تھی کہ آگے بڑھتا، کس کے دل میں تاب و توان تھی کہ شیر ژیاں کے سامنے آتا۔ جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دشمنان خونخوار میں سے کوئی ایک آگے نہیں بڑھتا اور ان کو برابر کی ہمت نہیں ہے کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ نے سمند بادپا کی باگ اٹھائی اور تو سن صبار فتار کے مہمیز لگائی اور صاعقہ وارد دشمن کے لشکر پر حملہ کیا، جس طرف زد کی پڑے کے پڑے ہٹا دیئے، ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر گرا دیئے، ابھی میمنہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا، ابھی میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگایا تو گردن کشوں کے سر

موسم خزاں کے پتوں کی طرح تن کے درختوں سے جدا ہو کر گرنے لگے، ہر طرف شور برپا ہو گیا، دلاوروں کے دل چھوٹ گئے، بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، کبھی نیزے کی ضرب تھی، کبھی تلوار کا وار تھا، شہزادہ اہل بیت کا حملہ نہ تھا عذابِ الہی کی بلائے عظیم تھی۔ دھوپ میں جنگ کرتے کرتے چمنستانِ اہل بیت کے گلِ شاداب کو تشنگی کا غلبہ ہوا، باگ موڑ کر والدِ ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا: يَا أَبَتَا! أَلْعَطَشُ: اے پدرِ بزرگوار! پیاس کا بہت غلبہ ہے۔

غلبہ کی کیا انتہا تین دن سے پانی بند ہے، تیز دھوپ اور اس میں جانبازانہ دوڑ دھوپ، گرم ریگستان، لوہے کے ہتھیار جو بدن پر لگے ہوئے ہیں وہ تمازتِ آفتاب سے آگ ہو رہے ہیں۔ اگر اس وقت حلق تر کرنے کے لیے چند قطرے مل جائیں تو فاطمی شیر گزبہ خصلتوں کو پیوندِ خاک کر ڈالے۔ شفیق باپ نے جانبازیٹے کی پیاس دیکھی مگر پانی کہاں تھا جو اس تشنہ شہادت کو دیا جاتا، دستِ شفقت سے چہرہ گلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اور اپنی انگشتری فرزندِ ارجمند کے دہانِ اقدس میں رکھ دی۔ پدرِ مہربان کی شفقت سے فی الجملہ تسکین ہوئی پھر شہزادہ نے میدانِ کارخ کیا پھر صدادی: ”هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ“ کوئی جان پر کھیلنے والا ہو تو سامنے آئے۔

عمر بن سعد نے طارق سے کہا: بڑے شرم کی بات ہے کہ اہل بیت کا اکیلا نوجوان میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو، اس نے پہلی مرتبہ مبارز طلب کیا تو تمھاری جماعت میں کسی کو ہمت نہ ہوئی پھر وہ آگے بڑھا تو صفیں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں اور بہادروں کا کھیت کر دیا، بھوکا ہے، پیاسا ہے، دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے، خستہ اور ماندہ ہو چکا ہے پھر مبارز طلب

کرتا ہے اور تمھاری تازہ دم جماعت میں سے کسی کو یارائے مقابلہ نہیں۔ تف ہے تمھارے دعوائے شجاعت و بسالت پر، ہو کچھ غیرت تو میدان میں پہنچ کر مقابلہ کر کے فتح حاصل کر تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے یہ کام انجام دیا تو عبداللہ ابن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا!

طارق نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں فرزندِ رسول اور اولادِ بتول سے مقابلہ کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کروں پھر بھی تو اپنا وعدہ وفانہ کرے تو نہ میں دنیا کا رہانہ دین کا۔

ابن سعد نے قسم کھائی اور پختہ قول و قرار کیا۔ اس پر حریص طارق موصل کی حکومت کی لالچ میں گل بستان رسالت کے مقابلہ کے لیے چلا، سامنے پہنچتے ہی شہزادہ والاتبار پر نیزہ کا وار کیا۔ شاہزادہ عالی جاہ نے اس کا نیزہ رد فرما کر سینہ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے نکل گیا اور وہ ایک دم گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادہ نے بکمال ہنرمندی گھوڑے کو ایڑھ دے کر اس کو روندھ ڈالا اور ہڈیاں چکنا چور کر دیں۔ یہ دیکھ کر طارق کے بیٹے عمر بن طارق کو طیش آیا اور وہ جھلاتا ہوا گھوڑا دوڑا کر شہزادہ پر حملہ آور ہوا شاہزادہ نے ایک ہی نیزہ میں اس کا کام بھی تمام کر دیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لیے آتشیں شعلہ کی طرح شہزادہ پر دوڑ پڑا۔ حضرت علی اکبر نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زمین سے اٹھالیا اور زمین پر اس زور سے پڑکا کہ اس کا دم نکل گیا، شہزادہ کی ہیبت سے لشکر میں شور برپا ہو گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع ابن غالب کو شہزادہ کے مقابلہ

کے لیے بھیجا، مصراع نے شہزادہ پر حملہ کیا، آپ نے تلوار سے نیزہ قلم کر کے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ زین تک کٹ گئی دو ٹکڑے ہو کر گر گیا، اب کسی میں ہمت نہ رہی تھی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا، ناچار ابن سعد نے محکم بن طفیل اور ابن نوفل کو ایک ایک ہزار سواروں کے ساتھ شہزادہ پر یکبارگی حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ شاہزادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیزہ اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور انہیں دھکیل کر قلب لشکر تک پہنچا دیا۔

اس حملہ میں شہزادہ کے ہاتھ سے کتنے بد نصیب ہلاک ہوئے، کتنے پیچھے ہٹے، آپ پر پیاس کی شدت بہت ہوئی، پھر گھوڑا دوڑا کر پدِ عالی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: **الْعَطَشُ الْعَطَشُ**: بابا! پیاس کی بہت شدت ہے۔ اس مرتبہ حضرت امام نے فرمایا: اے نور دیدہ! حوضِ کوثر سے سیرابی کا وقت قریب آ گیا ہے، دستِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے وہ جام ملے گا جس کی لذت نہ تصور میں آسکتی ہے نہ زبان بیان کر سکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی اکبر کو خوشی ہوئی اور وہ پھر میدان کی طرف لوٹ گئے اور لشکر دشمن کے یمن و سیار پر حملہ کرنے لگے، اس مرتبہ لشکرِ اشرا نے یکبارگی چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ آپ بھی حملہ فرماتے رہے اور دشمن ہلاک ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹتے رہے لیکن چاروں طرف سے نیزوں کے زخموں نے تن نازنین کو چکنا چور کر دیا تھا اور چمنِ فاطمہ کا گل رنگیں اپنے خون میں نہا گیا تھا، بہیم تیغ و سنان کی ضربیں پڑ رہی تھیں اور فاطمی شہسوار پر تیر و تلوار کا مینہ برس رہا تھا، اس حالت میں آپ پشت زین سے روئے زمین پر آئے اور سرو قامت نے خاکِ کربلا پر استراحت کی۔ اس وقت آپ نے آواز دی: **يَا أَبَتَاةُ! أَدْرِكْنِي**: اے پدِ

بزرگوار! مجھ کو لیجیے! حضرت امام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور جانباز نونہال کو خیمہ میں لائے۔ اس کا سر گود میں لیا، حضرت علی اکبر نے آنکھ کھولی اور اپنا سر والد کی گود میں دیکھ کر فرمایا: جان مانیا مندان قربان توباد۔ اے پدر بزرگوار! میں دیکھ رہا ہوں آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں بہشتی حوریں شربت کے جام لیے انتظار کر رہی ہیں۔ یہ کہا اور جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اہل بیت کا صبر و تحمل اللہ اکبر! امید کے گل نوشگفتہ کو کھلایا ہوا دیکھا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا، ناز کے پالوں کو قربان کر دیا اور شکر الہی بجالائے، مصیبت و اندوہ کی کچھ نہایت ہے، فاقہ پر فاقہ ہیں، پانی کا نام و نشان نہیں، بھوکے پیاسے فرزند تڑپ تڑپ کر جانیں دے چکے ہیں، جلتے ریت پر فاطمی نونہال ظلم و جفا سے ذبح کیے گئے، عزیز و اقارب، دوست و احباب، خادم، موالی، دلہند، جگر پیوند سب آئین و فادا کر کے دوپہر میں شربت شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اہل بیت کے قافلہ میں سناٹا ہو گیا ہے۔ جن کا کلمہ کلمہ تسکین دل و راحت جان تھا وہ نور کی تصویریں خاک و خون میں خاموش پڑی ہوئی ہیں۔ آل رسول نے رضا و صبر کا وہ امتحان دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ بڑے سے لے کر بچے تک مبتلائے مصیبت تھے۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند علی اصغر جو ابھی کمن ہیں، شیر خوار ہیں پیاس سے بیتاب ہیں، شدت تشنگی سے تڑپ رہے ہیں، ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے، پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے، اس چھوٹے بچے کی خشک ننھی زبان باہر آتی ہے، بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور پیچ کھا کھا کر رہ جاتے ہیں، کبھی ماں

کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کو سوکھی زبان دکھلاتے ہیں۔

نادان بچہ کیا جانتا ہے کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے۔ ماں کا دل اس بے چینی سے پاش پاش ہو جاتا ہے کبھی بچہ باپ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ ہر چیز یہ لا کر دیا کرتے تھے۔ میری اس بے کسی کے وقت بھی پانی بہم پہنچائیں گے، چھوٹے بچے کی بے تابی دیکھی نہ گئی۔ والدہ نے حضرت امام سے عرض کیا: اس ننھی سی جان کی بے تابی دیکھی نہیں جاتی اس کو گود میں لے جائیے اور اس کا حال ظالمانِ سنگدل کو دکھائیے اس پر تور حم آئے گا۔ اس کو تو چند قطرے دے دیں گے۔ یہ نہ جنگ کرنے کے لائق ہے نہ میدان کے لائق ہے۔ اس سے کیا عداوت ہے۔

حضرت امام اس چھوٹے نور نظر کو سینہ سے لگا کر سپاہِ دشمن کے سامنے پہنچے اور فرمایا کہ اپنا تمام کنبہ تو تمھاری بے رحمی اور جو رو جفا کے نذر کر چکا اور اب اگر آتشِ بغض و عناد جوش پر ہے تو اس کے لیے میں ہوں۔ یہ شیر خوار بچہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے اس کی بے تابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دو۔

جفا کارانِ سنگدل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا۔ بجائے پانی کے ایک بد بخت نے تیر مارا جو علی اصغر کا حلق چھیدا ہوا امام کے بازو میں بیٹھ گیا۔ امام نے وہ تیر کھینچا، بچہ نے تڑپ کر جان دی، باپ کی گود سے ایک نور کا پتلا لپٹا ہوا ہے، خون میں نہا رہا ہے، اہل خیمہ کو گمان ہے کہ سیاہ دلانِ بے رحم اس بچہ کو ضرور پانی دے دیں گے اور اس کی تشنگی دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔ لیکن جب امام اس شگوفہ تمنا کو خیمہ میں لائے اور اس کی والدہ نے اول نظر میں

دیکھا کہ بچہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں، سکون کا عالم ہے، نہ وہ اضطراب ہے نہ بے قراری، گمان ہوا کہ پانی دے دیا ہو گا۔ حضرت امام سے دریافت کیا، فرمایا: وہ بھی ساقی کوثر کے جامِ رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لیے اپنے بھائیوں سے جا ملا، اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہِ وَتَوَالِہِ۔

رضاء تسلیم کی امتحان گاہ میں امام حسین اور ان کے متوسلین نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ عالم ملائکہ بھی حیرت میں آ گیا ہو گا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کارازان پر منکشف ہو گیا ہو گا۔

حضرت امام عالی مقام کی شہادت

اب وہ وقت آیا کہ جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام پر جانیں قربان کر گئے، اب تنہا حضرت امام ہیں اور ایک فرزند حضرت امام زین العابدین وہ بھی بیمار و ضعیف۔ باوجود اس ضعف و ناطاقتی کے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امام کو تنہا دیکھ کر مصافحہ کارزار جانے اور اپنی جان نثار کرنے کے لیے نیزہ دست مبارک میں لیا لیکن بیماری، سفر کی کوفت، بھوک پیاس، متواتر فاقوں اور پانی کی تکلیفوں سے ضعف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا تھا باوجود اس کے ہمت مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کر دیا۔

حضرت امام نے فرمایا: جانِ پدر! لوٹ آؤ، میدان جانے کا قصد نہ کرو،

میں کنبہ قبیلہ، عزیز واقارب، خدام، موالی جو ہمراہ تھے راہِ حق میں نثار کر چکا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ان مصائب کو اپنے جد کریم کے صدقہ میں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اب اپنا ناچیز ہدیہ سر راہِ خدا میں نذر کرنے کے لیے حاضر ہے۔ تمہاری ذات کے ساتھ بہت امیدیں وابستہ ہیں، بے کسانِ اہل بیت کو وطن تک کون پہنچائے گا۔ بیبیوں کی نگہداشت کون کرے گا۔ جد و پدّر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں کس کو سپرد کی جائیں گی۔ قرآن کریم کی محافظت اور حقائق عرفانیہ کی تبلیغ کا فرض کس کے سر پر رکھا جائے گا۔ میری نسل کس سے چلی گی۔ حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے جاری ہو گا۔ یہ سب توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ دو دمانِ رسالت و نبوت کے آخری چراغ تم ہی ہو، تمہاری ہی طلعت سے دنیا مُسْتَنیر ہو گی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلدادگانِ حسن تمہارے ہی روئے تاباں سے حبیبِ حق کے انوار و تجلیات کی زیارت کریں گے۔ اے نورِ نظر! لختِ جگر! یہ تمام کام تمہارے ذمہ کیے جاتے ہیں، میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو گے، تمہیں میدانِ جانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے بھائی تو جاں نثاری کی سعادت پا چکے اور حضور کے سامنے ہی ساقی کو شرفِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آغوشِ رحمت و کرم میں پہنچے، میں تڑپ رہا ہوں۔ مگر حضرت امام نے کچھ پذیرانہ فرمایا اور امام زین العابدین کو ان تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اور خود جنگ کے لیے تیار ہوئے۔

قبائے مصری پہنی اور عمامہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سر پر باندھا، سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپر پشت پر رکھی، حضرت حیدر

گزار کی ذوالفقار آبدار حماکل کی۔ اہل خیمہ نے اس منظر کو کس آنکھوں سے دیکھا ہو گا، امام میدان جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس وقت اہل بیت کی بے کسی انتہا کو پہنچتی ہے اور ان کا سردار ان سے طویل عرصہ کے لیے جدا ہوتا ہے، ناز پروردوں کے سروں سے شفقت پدیری کا سایہ اٹھنے والا ہے، نو نہالان اہل بیت کے گرد یتیمی منڈلائی پھر رہی ہے۔

ازواج سے سہاگ رخصت ہو رہا ہے، دکھے ہوئے اور مجروح دل امام کی جدائی سے کٹ رہے ہیں، بے کس قافلہ حسرت کی نگاہوں سے امام کے چہرہ دل افروز پر نظر کر رہا ہے، سکینہ کی ترسی ہوئی آنکھیں پدربزرگوار کا آخری دیدار کر رہی ہیں، آن دو آن میں یہ جلوے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے والے ہیں، اہل خیمہ کے چہروں سے رنگ اڑ گئے ہیں۔ حسرت ویاس کی تصویریں ساکت کھڑی ہوئی ہیں، نہ کسی کے بدن میں جنبش ہے نہ کسی کی زبان میں تابِ حرکت نورانی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور خاندانِ مصطفیٰ بے وطنی اور بے کسی میں اپنے سروں سے رحمتو کرم کے سایہ گستر کو رخصت کر رہا ہے۔ حضرت امام نے اپنے اہل بیت کو تلقین صبر فرمائی۔ رضائے الہی پر صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کی اور سب کو سپردِ خدا کر کے میدان کی طرف رخ کیا۔ اب نہ قاسم ہیں نہ ابو بکر و عمر نہ عثمان و عون نہ جعفر و عباس جو حضرت امام کو میدان جانے سے روکیں اور اپنی جانوں کو امام پر فدا کریں۔ علی اکبر بھی آرام کی نیند سو گئے جو حصولِ شہادت کی تمنا میں بے چین تھے۔ تنہا امام ہیں اور آپ ہی کو اعدا کے مقابل جانا ہے۔

خیمہ سے چلے اور میدان میں پہنچے، حق و صداقت کا روشن آفتاب

سرزمینِ شام میں طالع ہوا، امیدِ زندگانی و تمنائے زیست کا گرد و غبار اس کے جلوے کو چھپانہ سکا، حُبِ دنیا و آسائشِ حیات کی رات کے سیاہ پردے آفتابِ حق کی تجلیوں سے چاک چاک ہو گئے، باطل کی تاریکی اس کی نورانی شعاعوں سے کافور ہو گئی، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کافرِ زند راہِ حق میں گھر لٹا کر، کنبہ کٹا کر سر بکف موجود ہے۔ ہزار ہا سپہ گرانِ نبرد آزما کا لشکرِ گراں سامنے موجود ہے اور اس کی پیشانی مُصَفَّا پر شکن بھی نہیں، دشمن کی فوجیں پہاڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہیں اور امام کی نظر میں پُر کاہ کے برابر بھی ان کا وزن نہیں۔ آپ نے ایک رَجُز پڑھی جو آپ کے ذاتی و نسبی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ فرمایا اور اس میں حمد و صلوة کے بعد فرمایا:

اے قوم! خدا سے ڈرو، جو سب کا مالک ہے جان دینا، جان لینا سب اس کے قدر تو اختیار میں ہے۔ اگر تم خداوندِ عالم جل جلالہ پر یقین رکھتے اور میرے جد حضرت سید انبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو تو ڈرو کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہو گی، اعمال کا حساب کیا جائے گا، میرے والدین محشر میں اپنی آل کے بے گناہ خونوں کا مطالبہ کریں گے۔ حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شفاعت گنہگاروں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان جن کی شفاعت کے امیدوار ہیں وہ تم سے میرے اور میرے جاں نثاروں کے خونِ ناحق کا بدلہ چاہیں گے، تم میرے اہل و عیال، اعزہ و اطفال، اصحاب و موالی میں سے ستر سے زیادہ کو شہید کر چکے اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو، خبردار ہو جاؤ کہ

عیش دنیا میں پائیداری و قیام نہیں، اگر سلطنت کی طمع میں میرے درپے آزار ہو تو مجھے موقع دو کہ میں عرب چھوڑ کر دنیا کے کسی اور حصہ میں چلا جاؤں۔ اگر یہ کچھ منظور نہ ہو اور اپنی حرکات سے باز نہ آؤ تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہیں۔ اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ وَرَضِينَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ۔

حضرت امام کی زبان گوہرِ فشاں سے یہ کلمات سن کر کوفیوں میں سے بہت لوگ رو پڑے، دل سب کے جانتے تھے کہ وہ برسرِ ظلم و جفا ہیں اور حمایتِ باطل کے لیے انھوں نے دارین کی روسیاسی اختیار کی ہے اور یہ بھی سب کو یقین تھا کہ امام مظلوم حق پر ہیں۔ امام کے خلاف ایک ایک جنبش دشمنانِ حق کے لیے آخرت کی رسوائی و خواری کا موجب ہے اس لیے بہت سے لوگوں پر اثر ہوا اور ظالمانِ بد باطن نے بھی ایک لمحہ کے لیے اس سے اثر لیا، ان کے بدنوں پر ایک پھڑ میری سی آگئی اور ان کے دلوں پر ایک بجلی سی چمک گئی، لیکن شمر وغیرہ بد سیرت و پلید طبیعت رذیل کچھ متاثر نہ ہوئے بلکہ یہ دیکھ کر کہ لشکریوں پر حضرت امام کی تقریر کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے، کہنے لگے کہ آپ قصہ کو تاہ کیجئے اور ابن زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت کر لیجئے تو کوئی آپ سے تعارض نہ کرے گا ورنہ بجز جنگ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

حضرت امام کو انجام معلوم تھا لیکن یہ تقریر اقامتِ حجت کے لیے فرمائی تھی کہ انھیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سید انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورِ نظر، خاتونِ جنت فاطمہ زہرا کا لختِ جگر بے کسی بھوک پیاس کی حالت میں آل و اصحاب کی مفارقت کا زخمِ دل پر لیے ہوئے گرم ریگستان میں بیس ہزار کے لشکر کے سامنے تشریف فرما ہے، تمام

ججتیں قطع کر دی گئیں، اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی سے اعداء کو اچھی طرح آگاہ کر دیا اور بار بار بتا دیا ہے کہ میں بقصدِ جنگ نہیں آیا اور اس وقت تک ارادہٴ جنگ نہیں ہے اب بھی موقع دو تو واپس چلا جاؤں۔ مگر بیس ہزار کی تعداد امام کو بے کس و تہاد یکھ کر جوشِ بہادری دکھانا چاہتی ہے۔

جب حضرت امام نے اطمینان فرمایا کہ سیاہ دلانِ بد باطن کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہا اور وہ کسی طرح خونِ ناحق و ظلمِ بے نہایت سے باز آنے والے نہیں تو امام نے فرمایا کہ تم جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جس کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ مشہور بہادر اور یگانہ نبرد آزما جن کو سخت وقت کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا میدان میں بھیجے گئے۔ ایک بے حیا ابنِ زہرا کے مقابل تلوار چمکاتا آتا ہے، امام تشنہ کام کو آبِ تیغ دکھاتا ہے، پیشوائے دین کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے، غرور و قوت میں سرشار ہے، کثرتِ لشکر اور تنہائی امام پر نازاں ہے، آتے ہی حضرت امام ر کی طرف تلوار کھینچتا ہے، ابھی ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ امام نے ضرب فرمائی، سر کٹ کر دور جا پڑا اور غرورِ شجاعت خاک میں مل گیا۔ دوسرا بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابلہ میں ہنرمندی کا اظہار کر کے سیاہ دلوں کی جماعت میں سرخروئی حاصل کرے ایک نعرہ مارا اور پکار کر کہنے لگا کہ بہادرانِ کوہ شکن شام و عراق میں میری بہادری کا غلغلہ ہے اور مصر و روم میں، میں شہرہٴ آفاق ہوں، دنیا بھر کے بہادر میرا لوہا مانتے ہیں، آج تم میرے زور و قوت کو اور داؤ پیچ کو دیکھو۔

ابن سعد کے لشکری اس متکبر سرکش کی تعلیوں سے بہت خوش ہوئے اور سب دیکھنے لگے کہ کس طرح امام سے مقابلہ کرے گا۔ لشکریوں کو یقین تھا

کہ حضرت امام پر بھوک پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے، صدموں نے ضعیف کر دیا ہے ایسے وقت امام پر غالب آجانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب سپاہِ شام کا گستاخ جفا جو، سرگشانہ گھوڑا کوداتا سامنے آیا، حضرت امام نے فرمایا: تو مجھے جانتا نہیں جو میرے مقابل اس دلیری سے آتا ہے، ہوش میں ہو، اس طرح ایک ایک مقابل آیا تو تیغِ خونِ آشام سے سب کا کام تمام کر دیا جائے گا، حسین کو بے کس و کمزور دیکھ کر حوصلہ مندیوں کا اظہار کر رہے ہو، نامردو! میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔

شامی جوان یہ سن کر اور طیش میں آیا اور بجائے جواب کے حضرت امام پر تلوار کا وار کیا، حضرت امام نے اس کا وار بچا کر کمر پر تلوار ماری، معلوم ہوتا تھا کھیرا تھا کاٹ ڈالا۔ اہل شام کو اب یہ اطمینان تھا کہ حضرت کے سوا اب اور تو کوئی باقی ہی نہ رہا، کہاں تک نہ تھکیں گے۔ پیاس کی حالت، دھوپ کی تپش مضمحل کر چکی ہے، بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت ہے۔ جہاں تک ہو ایک ایک مقابل کیا جائے، کوئی تو کامیاب ہو گا اس طرح نئے نئے دم بدم شیر صولت، پیل پیکر تیغ زن حضرت امام کے مقابل آتے رہے مگر جو سامنے آیا ایک ہی ہاتھ میں اس کا قصہ تمام فرمایا۔ کسی کے سر پر تلوار ماری تو زین تک کاٹ ڈالی، کسی کے جمائلی ہاتھ مارا تو قلمی تراش دیا، خود و مغر کاٹ ڈالے، جوش و آئینے قطع کر دیئے، کسی کو نیزہ پراٹھایا اور زمین پر پٹک دیا، کسی کے سینے میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔

زمینِ کربلا میں بہادرانِ کوفہ کا کھیت بودیا، نامورانِ صفِ شگن کے خونوں سے کربلا کے تشنہ ریگستان کو سیراب فرما دیا، نعشوں کے انبار لگ گئے،

بڑے بڑے فخر روزگار بہادر کام آگئے، لشکر اعدا میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ و یتیم بنا کر چھوڑے گا اور اس کی تیغ بے پناہ سے کوئی بہادر جان بچا کر نہ لے جاسکے گا، موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔ فروماہگان رو باہ سیرت حضرت امام کے مقابلہ سے عاجز آئے اور یہی صورت اختیار کی اور ماہ چرخ حقانیت پر جو روجفا کی تار یک گھٹا چھا گئی اور ہزاروں جوان دوڑ پڑے اور حضرت امام کو گھیر لیا اور تلوار برسانی شروع کی اور حضرت امام کی بہادری کی ستائش ہو رہی تھی اور آپ خونخواروں کے انہوہ میں اپنی تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے۔ جس طرف گھوڑا بڑھا دیا پڑے کے پڑے کاٹ ڈالے۔

دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آگئے کہ امام کے حملہ جہانستان سے رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ ہزاروں آدمیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کا سر اس طرح اڑا رہے ہیں جس طرح بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔ ابن سعد اور اس کے مشیروں کو بہت تشویش ہوئی کہ اکیلے امام کے مقابل ہزاروں کی جماعتیں ہچ ہیں۔ کوفیوں کی عزت خاک میں مل گئی، تمام ناموران کوفہ کی جماعتیں ایک حجازی جوان کے ہاتھ سے جان نہ بچا سکیں۔ تاریخ عالم میں ہماری نامردی کا یہ واقعہ اہل کوفہ کو ہمیشہ دسوائے عالم کر تار ہے گا، کوئی تدبیر کرنا چاہیے۔

تجویزیہ ہوئی کہ دست بدست جنگ میں ہماری ساری فوج بھی اس شیر حق سے مقابلہ نہیں کر سکتی، بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ ہر چہار طرف سے امام پر تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو چکیں تو نیزوں کے

حملوں سے تن نازنین کو مجروح کیا جائے۔

تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے گھر آئیں اور امامِ تشنہ کام کو گردابِ بلا میں گھیر کر تیر برسانے شروع کر دیئے، گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت نہ رہی ناچار حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا، ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امامِ مظلوم کا تنِ ناز پرور نشانہ بنا ہوا ہے، نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہو لہان ہو رہا ہے۔ بے شرم کوفیوں نے سنگدلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا یہ پیشانی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی، یہ سیمائے نور حبیبِ خدا کے آرزو مند انِ جمال کا قرارِ دل ہے۔ بے ادبانِ کوفہ نے اس پیشانیِ مُصَفَّآ اور اس جبینِ پُرُضِیَا کو تیر سے گھاگل کیا، حضرت کو چکر آ گیا اور گھوڑے سے نیچے آئے اب نامردانِ سیاہ باطن نے نیزوں پر رکھ لیا، نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

ظالمانِ بد کیش نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت امام کی مصیبتوں کا اسی پر خاتمہ نہیں ہو گیا۔ دشمنانِ ایمان نے سرِ مبارک کو تنِ اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نضر ابنِ خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی۔ خولی ابنِ یزید پلید نے یاشبل ابنِ یزید نے بڑھ کر آپ کے سرِ اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کر دیا۔

صادق جانباز نے عہدِ وفا پورا کیا اور دینِ حق پر قائم رہ کر اپنا کنبہ، اپنی جانِ راہِ خدا میں اس اولوالعزمی سے نذر کی، سو کھا گلا کاٹا گیا اور کربلا کی زمین سید الشہداء کے خون سے گلزار بنی، سر و تن کو خاک میں ملا کر اپنے جدِ کریم کے

دین کی حقانیت کی عملی شہادت دی اور ریگستانِ کوفہ کے ورق پر صدق و امانت پر جان قربان کرنے کے نقوش ثبت فرمائے۔ اَعْلَى اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ وَاسْكَنَهُ بِمُحَبُّوْحَةٍ جِنَانِهِ وَآمَطَرَ عَلَيْهِ شَائِبَتِ رَحْمَتِهِ وَرَضْوَانِهِ۔

کربلا کے بیابان میں ظلم و جفا کی آندھی چلی، مصطفائی چمن کے غنچہ و گل بادِ سموم کی نظر ہو گئے، خاتونِ جنت کا لہلہا تاباغ دوپہر میں کاٹ ڈالا گیا۔ کونین کے متاع بے دینی و بے حمیت کے سیلاب سے غارت ہو گئے۔ فرزندِ آلِ رسول کے سر سے سردار کا سایہ اٹھا۔ بچے اس غریبِ الوطنی میں یتیم ہوئے، بیبیاں بیوہ ہوئیں، مظلوم بچے اور بے کس بیبیاں گرفتار کیے گئے۔

محرم ۶۱ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے روز ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر میں حضرت امام نے اس دارِ ناپائیدار سے رحلت فرمائی اور داعیِ اجل کو لبیک کہی۔ ابنِ زیاد بد نہاد نے سرِ مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے حمیتی و بے حیائی کا اظہار کیا پھر حضرت سید الشہداء اور ان کے تمام جانباز شہداء کے سروں کو اسیرانِ اہل بیت کے ساتھ شمر ناپاک کی ہمراہی میں یزید کے پاس دمشق بھیجا، یزید نے سرِ مبارک اور اہل بیت کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا اور وہاں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوا۔

اس واقعہ ہائلہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا اور قلب مبارک کو جو صدمہ ہوا اندازہ اور قیاس سے باہر ہے۔

امام احمد و بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی

ایک روز میں دوپہر کے وقت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سنبل معنبر و گیسوئے معطر بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ دست مبارک میں ایک خون بھرا شیشہ ہے۔ یہ حال دیکھ کر دل بے چین ہو گیا، میں نے عرض کیا: اے آقا! قربانت شوم یہ کیا حال ہے؟ فرمایا حسین اور ان کے رفیقوں کا خون ہے۔ میں اسے آج صبح سے اٹھاتا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس تاریخ و وقت کو یاد رکھا جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام اسی وقت شہید کیے گئے۔ حاکم نے بیہقی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث روایت کی۔ انہوں نے بھی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک و ریش اقدس پر گڑ دو غبار ہے، عرض کیا: جان ما کنیزان نثار توباد۔ یا رسول اللہ! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: ابھی امام حسین کے مقتل میں گیا تھا۔

بیہقی و ابو نعیم نے بصرہ از دیہ سے روایت کی کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کیے گئے تو آسمان سے خون برسنا۔ صبح کو ہمارے منگے، گھڑے اور تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔

بیہقی و ابو نعیم نے زہری سے روایت کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس روز شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا۔

بیہقی نے ام حبان سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن اندھیرا ہو گیا اور تین روز کامل اندھیرا رہا اور جس

شخص نے منہ پر زعفران (غازہ) ملا اس کا منہ جل گیا اور بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔

بیہقی نے حضرت جمیل بن مرہ سے روایت کی کہ یزید کے لشکریوں نے لشکر امام میں ایک اونٹ پایا اور امام کی شہادت کے روز اس کو ذبح کیا اور پکایا تو اندر این کی طرح کڑوا ہو گیا اور اس کو کوئی نہ کھا سکا۔

ابو نعیم نے سفیان سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میری دادی نے خبر دی کہ حضرت امام کی شہادت کے دن میں نے دیکھا ڈزس (گسم) را کھ ہو گیا اور گوشت آگ ہو گیا۔

بیہقی نے علی بن مسہر سے روایت کی کہ میں نے اپنی دادی سے سنا وہ کہتی تھیں کہ میں حضرت امام کی شہادت کے زمانہ میں جوان لڑکی تھی، کئی روز آسمان رویا، یعنی آسمان سے خون برسا۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ سات روز تک آسمان خون رویا، اس کے اثر سے دیواریں اور عمارتیں رنگین ہو گئیں اور جو کپڑا اس سے رنگین ہوا اس کی سرخی پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔

ابو نعیم نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کی کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس طرح نوحہ خوانی کرتے سنا:

مَسَحَ النَّبِيُّ جَبِينَهُ

فَلَهُ بَرِيْقٌ فِي الْخُدُودِ

أَبْوَاهُ مِنْ عَلِيَاءِ قُرَيْشٍ

وَ جَدُّهُ خَيْرُ الْجُدُودِ

اس جبین کو نبی نے چوما تھا
 ہے وہی نور اس کے چہرہ پر
 اس کے ماں باپ برترین قریش
 اس کے نانا جہان سے بہتر

ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے سوائے آج کبھی جنوں کو نوحہ کرتے اور روتے نہ سنا تھا مگر آج سنا تو میں نے جانا کہ میرا فرزند حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گیا۔ میں نے اپنی لونڈی کو باہر بھیج کر خبر منگائی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام شہید ہو گئے جن اس نوحہ کے ساتھ زاری کرتے تھے:

أَلَا يَا عَيْنٍ فَاحْتَفِلِي بِجُهِدٍ
 وَمَنْ يَبْكِي عَلَى الشُّهَدَاءِ بَعْدِي
 عَلَى رَهْطٍ تَقْوُدُهُمُ الْبَنَاتَا
 إِلَى مُتَجَبِّرٍ فِي مُلْكِ عَهْدِي
 ہو سکے جتنا رولے تو اے چشم!
 کون روئے گا پھر شہیدوں کو
 پاس ظالم کے کھینچ کر لائی
 موت ان بیکسوں غریبوں کو

ابن عسا کرنے منہال بن عمرو سے روایت کی وہ کہتے ہیں: واللہ! میں نے پچشم خود دیکھا کہ جب سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ نیزے پر لیے

جاتے تھے اس وقت میں دمشق میں تھا، سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا: **أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيعِ كَانُوا مِنَّا عَجَبًا**۔ اصحاب کہف اور قیم ہماری نشانیوں میں سے عجب تھے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو گویائی دی، بزبان فصیح فرمایا: **أَعْجَبٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ قَتْلِي وَحَمَلِي**۔ اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے۔

در حقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرت امام کو انکے جد کی امت نے مہمان بنا کر بلایا، پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا، آل و اصحاب کو حضرت امام کے سامنے شہید کیا، پھر خود حضرت امام کو شہید کیا، اہل بیت کو اسیر کیا، سر مبارک شہر شہر پھرایا۔ اصحاب کہف سا لہا سال کی طویل خواب کے بعد بولے، یہ ضرور عجیب ہے مگر سر مبارک کا تن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا اس سے عجیب تر ہے۔

ابو نعیم نے بطریق ابن لہیعہ، ابی قبیل سے روایت کی کہ حضرت امام کی شہادت کے بعد جب بد نصیب کوئی سر مبارک کو لے کر چلے اور پہلی منزل میں ایک پڑاؤ پر بیٹھ کر شربت خرما پینے لگے اس وقت ایک لوہے کا قلم نمودار ہوا اس نے خون سے یہ شعر لکھا۔

أَتَرْجُو أُمَّةً قَتَلَتْ حُسَيْنًا

شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

یہ بھی منقول ہے کہ ایک منزل میں جب اس قافلہ نے قیام کیا وہاں ایک دیر تھا۔ دیر کے راہب نے ان لوگوں کو اسی ہزار درہم دے کر سر مبارک کو ایک

شب اپنے پاس رکھا۔ غسل دیا، عطر لگایا، ادب و تعظیم کے ساتھ تمام شب زیارت کرتا اور روتارہا اور رحمتِ الہی کے جو انوار سر مبارک پر نازل ہو رہے تھے ان کا مشاہدہ کرتا رہا حتیٰ کہ یہی اس کے اسلام کا باعث ہوا۔ اشقیانے جب دراہم تقسیم کرنے کے لیے تھیلیوں کو کھولا تو دیکھا سب میں ٹھیکریاں بھری ہوئیں ہیں اور ان کے ایک طرف لکھا ہے: **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَفْلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ**۔ خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو۔

اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب ہے: **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ**۔ اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔

غرض زمین و آسمان میں ایک ماتم برپا تھا۔ تمام دنیا رنج و غم میں گرفتار تھی، شہادتِ امام کے دن آفتاب کو گرہن لگا۔ ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر میں تارے نظر آنے لگے۔ آسمان رویا، زمین روئی، ہوا میں جنات نے نوحہ خوانی کی، راہب تک اس حادثہ قیامت نما سے کانپ گئے اور رو پڑے۔

فرزندِ رسول، جگر گوشہ بتول، سردارِ قریش امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد متکبر کے سامنے تشت میں رکھا اور وہ فرعون کی طرح مسند تکبر پر بیٹھے۔ اہل بیت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں۔ ان کے دلوں کا کیا حال ہوا ہو گا۔ پھر سر مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پر پھرایا جائے اور وہ یزید پلید کے سامنے لا کر اسی طرح رکھے جائیں اور وہ خوش ہو، اس کو کون برداشت کر سکتا ہے۔

یزید کی رعایا بھی بگڑ گئی اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اس پر اس

نابکار نے اظہارِ ندامت کیا مگر یہ ندامت اپنی جماعت کو قبضہ میں رکھنے کے لیے تھی، دل تو اس ناپاک کا اہل بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت امام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے صبر و رضا کا وہ امتحان دیا جو دنیا کو حیرت میں ڈالتا ہے۔

راہِ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ یہ کمال شہادت و جانبازی ہے اور اس میں امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حق و صداقت پر استقامت و استقلال کی بہترین تعلیم ہے۔

فصل (۸)

واقعات بعدِ شہادت

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک یزید کی بے قیدیوں کے لیے ایک زبردست محتسب تھا، وہ جانتا تھا کہ آپ کے زمانہ مبارک میں اس کو بے مہاری کا موقع میسر نہ آوے گا اور اس کی کسی گنج روی اور گمراہی پر حضرت امام صبر نہ فرمائیں گے، اس کو نظر آتا تھا کہ امام جیسے دیندار کا تازیانہ تعزیر ہر وقت اس کے سر پر گھوم رہا ہے اسی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ حضرت امام کی جان کا دشمن تھا اور اسی لیے حضرت امام کی شہادت اس کے لیے باعث مسرت ہوئی۔ حضرت امام کا سایہ اٹھنا تھا، یزید کھل کھیلا اور انواع و اقسام کے معاصی کی گرم بازاری ہو گئی۔ زنا، لواطت، حرام کاری، بھائی بہن کا بیاہ، سود، شراب، دھڑلے سے رانچ ہوئے، نمازوں کی پابندی اٹھ گئی، تمرد و سرکشی

انہما کو پہنچی، شیطنت نے یہاں تک زور کیا کہ مسلم ابن عقبہ کو بارہ ہزار یا بیس ہزار کا لشکر گرا لے کر مدینہ طیبہ کی چڑھائی کے لیے بھیجا۔

یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس نامراد لشکر نے مدینہ طیبہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ العظمتہ للہ، قتل، غارت اور طرح طرح کے مظالم ہمسایگان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم پر کیے۔ وہاں کے ساکنین کے گھر لوٹ لیے، سات سو صحابہ کو شہید کیا اور دوسرے عام باشندے ملا کر دس ہزار سے زیادہ کو شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا، ایسی ایسی بد تمیزیاں کیں جن کا ذکر کرنا ناگوار ہے۔ مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں گھوڑے باندھے، تین دن تک مسجد شریف میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے۔ صرف حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجنوں بن کر وہاں حاضر رہے۔

حضرت عبد اللہ ابن حنظلہ بن غَسَّیل نے فرمایا کہ یزیدیوں کے ناشائستہ حرکات اس حد پر پہنچے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ان کی بد کاریوں کی وجہ سے کہیں آسمان سے پتھر نہ برسے۔ پھر یہ لشکر شرارت اثر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں امیر لشکر مر گیا اور دوسرا شخص اس کا قائم مقام کیا گیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ان بے دینوں نے منجنيق سے سنگ باری کی (منجنيق پتھر پھینکے کا آلہ ہوتا ہے جس سے پتھر پھینک کر مارا جاتا ہے اس کی زد بڑی زبردست اور دور کی مار ہوتی ہے) اس سنگ باری سے حرم شریف کا صحن مبارک پتھروں سے بھر گیا اور مسجد حرام کے ستون ٹوٹ پڑے اور کعبہ مقدسہ کے غلاف شریف اور چھت کو ان بے دینوں نے جلا دیا۔ اسی چھت میں اُس دنبہ کے سینگ بھی تبرک کے طور پر محفوظ تھے جو سیدنا حضرت اسمعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے فدیہ میں

قربانی کیا گیا تھا وہ بھی جل گئے کعبہ مقدسہ کئی روز تک بے لباس رہا اور وہاں کے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔

آخر کار یزید پلید کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمایا اور وہ بد نصیب تین برس سات مہینے تختِ حکومت پر شیطنت کر کے ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو جس روز اس پلید کے حکم سے کعبہ معظمہ کی بے حرمتی ہوئی تھی، شہر حمص ملک شام میں انتالیس برس کی عمر میں ہلاک ہوا۔ ہنوز قتال جاری تھا کہ یزید ناپاک کی ہلاکت کی خبر پہنچی، حضرت ابن زبیر نے ندامت فرمائی کہ اہل شام! تمہارا طاغوت ہلاک ہو گیا۔ یہ سن کر وہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے اور لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور وہ گروہِ ناحق پڑوہ خائب و خاسر ہوا۔ اہل مکہ کو ان کے شر سے نجات ملی۔ اہل حجاز، یمن و عراق و خراسان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اہل مصر و شام نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر ربیع الاول ۶۴ھ میں۔

یہ معاویہ اگرچہ یزید پلید کی اولاد سے تھا مگر آدمی نیک اور صالح تھا، باپ کے ناپاک افعال کو برا جانتا تھا، عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے وقت سے تادم مرگ بیمار ہی رہا اور کسی کام کی طرف نظر نہ ڈالی اور چالیس دن یا دو تین ماہ کی حکومت کے بعد اکیس سال کی عمر میں مر گیا۔ آخر وقت میں اس سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ کرے اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ میں نے خلافت میں کوئی حلاوت نہیں پائی تو میں اس تلخی میں کسی دوسرے کو کیوں مبتلا کروں۔

معاویہ بن یزید کے انتقال کے بعد اہل مصر و شام نے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی پھر مروان بن حکم نے خروج کیا اور اس کو شام و مصر پر قبضہ حاصل ہوا۔ ۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا

عبدالملک اس کا قائم مقام ہوا۔ عبدالملک کے عہد میں مختار بن عبید ثقفی نے عمر بن سعد کو بلایا، ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا۔ مختار نے دریافت کیا: تیرا باپ کہاں ہے؟ کہنے لگا کہ وہ خلوت نشین ہو گیا ہے، گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس پر مختار نے کہا کہ اب وہ رے کی حکومت کہاں ہے جس کی چاہت میں فرزندِ رسول سے بے وفائی کی تھی، اب کیوں اس سے دست بردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے۔ حضرت امام کے شہادت کے روز کیوں خانہ نشین نہ ہوا۔ اس کے بعد مختار نے ابن سعد اور اس کے بیٹے اور شمر ناپاک کی گردن مارنے کا حکم دیا اور ان سب کے سر کٹوا کر حضرت محمد بن حنفیہ برادرِ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیئے اور شمر کی لاش کو گھوڑوں کے سٹموں سے روندوا دیا جس سے اس کے سینہ اور پسلی کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ شمر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں میں سے ہے اور ابن سعد اس لشکر کا قافلہ سالار و کماندار تھا جس نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مظالم کے طوفان توڑے آج ان ظالمین ستم شعار و مغرورانِ نابکار کے سرتن سے جدا کر کے دشت بدشت پھرائے جا رہے ہیں اور دنیا میں کوئی ان کی بیکسی پر افسوس کرنے والا نہیں۔ ہر شخص ملامت کرتا ہے اور نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے اور ان کی اس ذلت و رسوائی کی موت پر خوش ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے مختار کے اس کارنامہ پر اظہارِ فرح کیا اور اس کو دشمنانِ امام سے بدلہ لینے پر مبارکباد دی۔

اے ابن سعد! رے کی حکومت تو کیا ملی

ظلم و جفا کی جلد ہی تجھ کو سزا ملی

اے شمر نابکار! شہیدوں کے خون کی

کیسی سزا تجھے ابھی اے ناسزا ملی

اے تشنگانِ خونِ جوانانِ اہلِ بیت
 دیکھا کہ تم کو ظلم کی کیسی سزا ملی
 کتوں کی طرح لاشے تمہارے سڑا کیے
 گھورے پہ بھی نہ گور کو تمہاری جا ملی
 رسوائے خلق ہو گئے برباد ہو گئے
 مردودو! تم کو ذلتِ ہر دوسرا ملی
 تم نے اجاڑا حضرتِ زہرا کا بوستاں
 تم خود اُجڑ گئے تمہیں یہ بد دعا ملی
 دنیا پرستو! دین سے منہ موڑ کر تمہیں
 دنیا ملی نہ عیش و طرب کی ہوا ملی
 آخر دکھایا رنگِ شہیدوں کے خون نے
 سر کٹ گئے اماں نہ تمہیں اک ذرا ملی
 پائی ہے کیا نعیم انھوں نے ابھی سزا
 دیکھیں گے وہ جحیم میں جس دم سزا ملی

اس کے بعد مختار نے ایک حکم عام دیا کہ کربلا میں جو جو شخص عمر بن سعد کا شریک
 تھا وہ جہاں پایا جائے مار ڈالا جائے۔ یہ حکم سن کر کوفہ کے جفا شعار سورما بصرہ
 بھاگنا شروع ہوئے، مختار کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا جس کو جہاں پایا ختم
 کر دیا، لاشیں جلا ڈالیں، بگھر لوٹ لیے۔ خولی بن یزید وہ خبیث ہے جس نے
 حضرت امام عالی مقام کا سر مبارک تن اقدس سے جدا کیا تھا، یہ رو سیاہ بھی
 گرفتار کر کے مختار کے پاس لایا گیا۔ مختار نے پہلے اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوائے

پھر سولی چڑھایا۔ آخر آگ میں جھونک دیا۔ اس طرح لشکر ابن سعد کے تمام اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔ چھ ہزار کوئی جو حضرت امام کے قتل میں شریک تھے ان کو مختار نے طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

ابن زیاد کی ہلاکت

عبید اللہ ابن زیاد، یزید کی طرف سے کوفہ کا والی (گورنر) کیا گیا تھا۔ اسی بد نہاد کے حکم سے حضرت امام اور آپ کے اہل بیت علیہم الرضوان کو یہ تمام ایذائیں پہنچائی گئیں، یہی ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلہ کے لیے ایک فوج کو لے کر بھیجا موصل سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی۔ جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب قریب غروب تھا اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی، ابن زیاد کو شکست ہوئی، اس کے ہمراہی بھاگے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کیے گئے۔ اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا، ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ میں بھجوایا، مختار نے دارالامارت کوفہ کو راستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ رکھوایا جس جگہ اس مغرور حکومت و بندہ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک رکھا تھا۔ مختار نے اہل کوفہ

کو خطاب کر کے کہا کہ اے اہل کوفہ! دیکھ لو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا، آج اس نامراد کا سر اس ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے، چھ سال ہوئے ہیں وہی تاریخ ہے، وہی جگہ ہے، خدواندِ عالم نے اس مغرور، فرعونِ خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا، اسی کوفہ اور اسی دارالامارت میں اس بے دین کے قتل و ہلاک پر جشن منایا جا رہا ہے۔

ترمذی شریف کی صحیح روایت میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سانپ نمودار ہوا، اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے۔ وہ تمام سروں پر پھرا جب عبید اللہ ابن زیاد کے سر کے پاس پہنچا اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا۔ اس طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔

ابن زیاد، ابن سعد، شمر، قیس ابن اشعث کندی، خولی ابن یزید، سنان بن انس نخعی، عبد اللہ بن قیس، یزید بن مالک اور باقی تمام اشقیاء جو حضرت امام کے قتل میں شریک تھے اور ساعی تھے طرح طرح کی عقوبتوں سے قتل کیے گئے اور ان کی لاشیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرائی گئیں۔

حدیث شریف میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ خونِ حضرت امام کے بدلے ستر ہزار شقی مارے جائیں گے۔ وہ پورا ہوا، دنیا پرستار ان سیاہ باطن اور مغرورانِ تاریخ دروں کی امیدیں باندھ رہے تھے اور حضرت امام علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت سے ان دشمنانِ حق کو کیسی کچھ توقعات تھیں۔ لشکریوں کو گراں قدر انعاموں کے وعدے دیئے گئے تھے۔

سرداروں کو عہدے اور حکومت کا لالچ دیا گیا تھا۔ یزید اور ابن زیاد وغیرہ کے دماغوں میں جہانگیر سلطنت کے نقشے کھینچے ہوئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ فقط امام ہی کا وجود ہمارے لیے عیش دنیا سے مانع ہے، یہ نہ ہوں تو تمام کرہ زمین پر یزیدیوں کی سلطنت ہو جائے۔ اور ہزاروں برس کے لیے ان کی حکومت کا جھنڈا گڑ جائے مگر ظلم کے انجام اور قہر الہی کی تباہ کن بجلیوں اور درد رسیدگان اہل بیت کی جہاں برہم گن آہوں کی تاثیرات سے بے خبر تھے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ خونِ شہداء رنگ لائے گا اور سلطنت کے پرزے اڑ جائیں گے۔ ایک ایک شخص جو قتلِ حضرت امام میں شریک ہوا ہے طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گا، وہی فرات کا کنارہ ہو گا، وہی عاشورہ کا دن، وہی ظالموں کی قوم ہو گی اور مختار کے گھوڑے انہیں روندتے ہوں گے۔ ان کی جماعتوں کی کثرت ان کے کام نہ آئے گی، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، گھر لوٹے جائیں گے، سولیاں دی جائیں گی، لاشیں سڑیں گی، دنیا میں ہر شخص ٹف ٹف کرے گا، اس ہلاکت پر خوشی منائی جائے گی۔ معرکہ جنگ میں اگرچہ ان کی تعداد ہزاروں کی ہو گی مگر وہ دل چھوڑ کر ہجڑوں کی طرح بھاگیں گے اور چوہوں اور کتوں کی طرح انہیں جان بچانی مشکل ہو گی۔ جہاں پائے جائیں گے مار دیئے جائیں گے۔ دنیا میں قیامت تک ان پر نفرت و ملامت کی جائے گی۔

حضرت امام کی شہادتِ حمایتِ حق کے لیے ہے اس راہ کی تمام تکلیفیں عزت ہیں۔ اور پھر وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ اس خاندانِ عالی کا بچہ بچہ شیر بن کر میدان میں آیا، مقابل سے اس کی نظر نہ جھپکی، دم آخر تک مبارز طلب کرتا رہا اور جب نامردوں کے ہجوم نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تب بھی

اُس کے پائے ثبات و استقلال کو لغزش نہ ہوئی، اُس نے میدان سے باگ نہ موڑی نہ حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ اپنے دعوے سے دست برداری کی، مردانہ جانبازی کا نام دنیا میں زندہ کر دیا، حق و صداقت کا ناقابل فراموشی درس دیا اور ثابت کر دیا کہ فیوضِ نبوت کے پر تو سے حقانیت کی تجلیاں اُن پاک باطنوں کے رگ و پے میں ایسی جاگزیں ہو گئی ہیں کہ تیر و تلوار اور تیر و سناں کے ہزار ہا گہرے گہرے زخم بھی اُن کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ آخرت کی زندگی کا دلکش منظر اُن کی چشمِ حق ہیں کے سامنے اس طرح روکش ہے کہ آسائشِ حیاتِ دنیوی کو وہ بے التفاتی کی ٹھوکروں سے ٹھکرا دیتے ہیں۔

حجاج ابن یوسف کے وقت میں جب دوبارہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسیر کیے گئے اور لوہے کی بھاری قید و بند کا بار گراں ان کے تنِ نازنین پر ڈالا گیا اور پہرہ دار متعین کر دیئے گئے، زہری علیہ الرحمہ اس حالت کو دیکھ کر رو پڑے اور کہا کہ مجھے تمنا تھی کہ میں آپ کی جگہ ہوتا کہ آپ پر یہ بارِ مصائب دل پر گوارا نہیں ہے۔ اس پر امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ گمان ہے کہ اس قید و بندش سے مجھے کرب و بے چینی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس میں سے کچھ بھی نہ رہے مگر اس میں اجر ہے اور تندرست گر ہے اور عذابِ الہی عز و جل کی یاد ہے۔ یہ فرما کر بیڑیوں میں سے پاؤں اور ہتھکڑیوں میں سے ہاتھ نکال دیئے۔

یہ اختیارات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کرامتِ انہیں عطا فرمائے گئے اور وہ صبر و رضا ہے کہ اپنے وجود اور آسائشِ وجود، گھر بار، مال و متاع سب سے رضائے الہی عز و جل کے لیے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور اس میں کسی چیز

کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری و باطنی برکات سے مسلمانوں کو
 متمتع اور فیض یاب فرمائے اور ان کی اخلاص مندانه قربانیوں کی برکت سے اسلام
 کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھے۔ آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ
 وَعِزَّتِهِ أَجْمَعِينَ۔ (ماخوذ از سوانح کربلا)

فصل (۹)

تجہیز و تکفین اور تدفین

سادات کرام کا لٹا ہوا قافلہ دمشق سے روانہ ہو کر جب 20 صفر
 المظفر کو میدان کربلا میں پہنچا تو دیکھا کہ لاشہائے شہداء کرام ابھی ویسی ہی بے
 گورو کفن پڑی ہیں زخموں سے اسی طرح تازہ خون جاری ہے۔ اگرچہ گرمی کی
 شدت تھی لیکن ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہاں
 آکر قیام فرمایا اور شہداء کرام کے سروں کو ان کے اجسام مقدسہ کے ساتھ دفن
 کیا۔

روایات میں اختلاف ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے سراقس و جسم
 مبارک کو کہاں دفن کیا گیا۔ اس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ جسم مبارک
 کو کربلا میں اور سر مبارک کو حنظلہ البقیع میں (حضرت امام حسن و حضرت فاطمہ زہرا
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر کے پاس) دفن کیا گیا۔ اور یہی قول ابن بکار و ہمدانی
 وغیرہم کا ہے۔ (کربلا کے بعد)۔

علامہ طبری اور دیگر مؤرخین کے مطابق:

”حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بہتر (۷۲) افراد شہید ہوئے۔ ان کے شہید ہونے کے ایک دن بعد مقام غاضر یہ میں جو بنی اسد کے لوگ رہتے تھے انھوں نے مل کر ان لوگوں کو دفن کیا۔“

ممکن ہے بعد میں امام زین العابدین نے اجسام کو منتقل کیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والحقیقۃ۔

خاتمہ

الحمد لله ثم الحمد لله والشكر لله کہ کتاب ”مناقب سید الشهداء“ تکمیل آشنا ہوئی۔ خالق حسن و جمال، میری اس سعی کو قبول فرمائے۔ نیز میرے معاصی کا کفارہ بنائے۔ ناظرین و قارئین سے التماس ہے کہ وہ مطالعہ فرماتے وقت، میرے والد گرامی حضور ریاض الملت مفسر قرآن قبلہ پیر مفتی ابوالنصر محمد ریاض الدین قادری چشتی نقشبندی سہروردی قدس سرہ کے درجات کی بلندی کے لیے دعا فرمائیں۔ اور میری معظمہ مکرمہ والدہ صاحبہ ادام اللہ ظلھا علی رؤسنا کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت تندرستی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔ تاکہ خاکساران کے خوانِ شفقت سے ریزہ خواری کر کے، علم و فن کی خدمت کرتا رہے۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

راقم الحروف

خاکسار ابوالحسن واحد رضوی کان اللہلہ
آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، محمد نگر، اٹک، پنجاب، پاکستان

کتاب دوم
مثنوی شہ گلگون قبا

تصنیف

صاحبزادہ پیر ابوالحسن واحد رضوی

مثنوی ”شہ گلگوں قبا“: تعارف و تاثرات

از قلم: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں، انڈیا)

صاحب زادہ ابوالحسن واحدرضوی مدظلہ غیر معمولی خوبیوں کی حامل ہمہ رنگ شخصیت کا نام ہے۔ شریعت و طریقت، سلوک و معرفت، علم و فضل، دانائی و بینائی، تقویٰ و طہارت، تصنیف و تالیف اور شعر و ادب کا گراں قدر اثاثہ آپ کو والد گرامی حضور مفسر قرآن شیخ الحدیث پیر مفتی ابونصر محمد ریاض الدین قادری قدس سرہ (جامع سلاسل اربعہ) کی حسین و جمیل آغوش تربیت میں حاصل ہوا۔ آپ کو بیک وقت عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور دیگر کئی زبانوں پر عالمانہ و فاضلانہ دسترس حاصل ہے۔ آپ کی زنبیل حیات میں عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں ۳۰۰ سے زائد کتب و رسائل جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ آپ شاعر، ادیب، مصنف، مترجم، عالم، فاضل اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے ایک وسیع حلقے میں اپنا تعارف آپ ہیں۔ سہ ماہی ریاض العلم، ماہانہ سلسبیل، سہ ماہی نعتیہ ادب، مجلہ عرفان رضا اور سالنامہ شناسائی جیسے موقر رسائل و جرائد کی ادارت سے آپ کی ہمہ جہت صحافتی خوبی کا پتا چلتا ہے۔ خانقاہ عالیہ فیض آباد شریف، محمد نگر، انٹک، پنجاب (پاکستان) سے وابستہ صاحب زادہ ابوالحسن واحدرضوی فیض رضا سے سرشار اور فکر رضا کے مبلغ و داعی ہیں۔ مذہب اور ادب دونوں ہی

میدانوں میں نثر و نظم کے حوالے سے آپ کا اشہبِ قلم سرپٹ دوڑتا ہوا اپنی کامیابی و کامرانی کے پرچم بلند کیے ہوئے ہے۔

اس وقت میرے مطالعہ کی میز پر آپ کی تازہ ترین شعری کاوش مثنوی ”شہِ گلگوں قبا“ جلوہ گر ہے۔ ترکیب ”شہِ گلگوں قبا“ سے بھی آپ کی کلامِ رضا سے محبت و انسیت کا والہانہ اظہار ہوتا ہے۔ صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی مدظلہ کی اس خوب صورت پیش کش پر کچھ اظہارِ خیال سے قبل مثنوی کے بارے میں چند باتیں سپردِ قریطاس ہیں۔

مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شعر کے دونوں مصرعے میں قافیہ آئے اور ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے قافیے الگ الگ ہوں۔ محققین اسے ایرانیوں کی ایجاد بتاتے ہیں۔ عربی میں یہ صنف نہیں پائی جاتی البتہ رجز اس سے ملتی جلتی صنف ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ رجز کو دیکھ کر ایرانیوں نے مثنوی ایجاد کی جو ایک ہیئت صنف ہے جس میں کسی بھی موضوع کا اظہار کیا جاسکتا ہے اگرچہ مخصوص معنوں میں اسے عشقیہ منظوم داستان تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں ابیات کی تعداد متعین نہیں۔ یہ چند ابیات سے لے کر سیکڑوں ابیات پر مشتمل ہو سکتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی ہر بیت معنوں میں نامکمل ہو یعنی تمام ابیات مل کر خیال و موضوع کی اکائی تشکیل دیں۔ ”بوستانِ سعدی“ کی حکایات مختصر مثنویاں ہیں جب کہ مولانا روم کی ”مثنوی“ طویل ترین مثنوی خیال کی جاتی ہے۔ اردو میں بھی عشقیہ مثنویوں کے ساتھ فلسفیانہ، واعظانہ اور اخلاقی مثنویاں بہ کثرت موجود ہیں۔

عام طور سے رزمیہ مثنوی کے لیے بحر متقارب اور بزمیہ کے لیے بحر ہزج یا بحر سربیع مستعمل ہے۔ مثنوی کے عناصر یہ ہیں۔

(1) حمد و نعت (2) مدح فرماں رواے وقت (3) تعریف شعر و سخن
 (4) قصد یا اصل موضوع (5) خاتمہ۔ بہت سے مثنوی نگاروں نے ان روایتی
 پابندیوں سے انحراف کیا ہے۔ حمد و نعت جس کا التزام عام طور سے شعرا کرتے
 ہیں، میر اور سودا کی ہجو یہ مثنویاں ان سے بھی خالی ہیں۔ جہاں تک مثنوی کے
 مضامین اور موضوعات کا تعلق ہے تو اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مذہبی واقعات،
 رموز تصوف، درس اخلاق، داستانِ حسن و محبت، میدانِ کارزار کی معرکہ خیزی،
 بزمِ طرب کی دل آویزی، رسوماتِ شادی، مافوق الفطرت کے حیرت زا کارنامے
 سبھی کچھ مثنویوں کا موضوع ہیں۔ اس طرح مثنوی کے مضامین میں بڑی وسعت
 اور ہمہ گیری ہے۔

اردو میں کلاسیکی اور روایتی شاعری اس صنف سے مالا مال ہے۔ میراں جی،
 نظامی، اشرف بیابانی، جانم، عبدالملک، ملا وجہی، غواصی، مقیمی، نصرتی، ابن نشاطی،
 سراج، شفیق، جعفر زٹلی، فائز، آبرو، حاتم، اثر، میر، سودا، انشاء، مومن اور شوق
 وغیرہ کی مثنویاں مشہور ہیں۔ مثنوی نگار شعرا میں میر حسن کے حصے میں جو مقبولیت
 اور شہرت آئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو مثنوی کی تاریخ
 میر حسن کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ علاوہ ازیں غالب نے فارسی میں کئی
 مثنویاں لکھی ہیں اور اردو میں ایک مختصر مثنوی ”در صفتِ انبہ“۔ حالی، اقبال اور
 جوش کا کلام بھی اس سے خالی نہیں۔ مذہبی دنیا کی معروف شخصیت امام احمد رضا
 بریلوی کے یہاں بھی ایک فارسی مثنوی ”ردِ امثالیہ“ دیکھی جاسکتی ہے۔ برادر رضا
 مولانا حسن رضا بریلوی کی ایک فارسی مثنوی ”صمصامِ حسن بردابر فتن“ بھی
 خاصے کی چیز ہے۔ ترقی پسند شعرا میں سردار جعفری نے ”نئی دنیا کو سلام“ اور
 جدید شعرا میں قاضی سلیم نے ”باغبان و گل فروش“ لکھ کر روایتی ہیئت میں اس

صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔

مثنوی نگاری کی اسی روش کو آگے بڑھاتے ہوئے صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی نے اسلامی تاریخ کے ناقابل فراموش باب واقعہ کربلا کو اپنی فکر و نظر کا موضوع بناتے ہوئے ۲۲۲ اشعار پر مشتمل مثنوی ”شہ گلگوں قبا“ مذہبی و ادبی دنیا کو تحفے کے طور پر پیش کیا ہے۔ عقیدے و عقیدت سے مملو، شعری و فنی محاسن سے آراستہ، موضوع اور من گھڑت واقعات و روایات سے یکسر پاک یہ مثنوی اپنے موضوع کا مکمل حق ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ اشعار کی زیریں رو میں پنہاں کربیہ آہنگ قاری و سامع کو بھی درد و غم سے ہمکنار کرتا ہے۔

مثنوی کی روایت کے مطابق ”شہ گلگوں قبا“ کا دریچہ سخن بھی ”حمید خالق حسن و جمال جل جلالہ و عم نوالہ“ جیسے دل کش عنوان سے ہوتا ہے۔ ”لبوں پر حمد اُس کی جلوہ گر ہے، جیسے بولتے مصرعے سے حمد کا آغاز ہوتا ہے۔ واحد صاحب نے خالق حسن و جمال جل جلالہ کی قدرتِ کاملہ، اختیارات و تصرفات اور مختلف تخلیقات کا بڑے اچھوتے اور الیلے انداز میں بیان کیا ہے۔ ۲۰ اشعار پر مشتمل ”شہ گلگوں قبا“ کا حمدیہ گوشہ حمد کے واجبات کی تکمیل کرتا ہوا شعریت کی سندر تا سے مزین ہے۔ شعروں میں اردو اور فارسی لفظیات کے ساتھ ساتھ ہندی بھاشا کا گہرا چاؤ لطف و سرور کو دو بالا کر دیتا ہے۔

عجب انسان کی صورت بنائی	عجب مائی کی یہ مورت بنائی
کوئی سندر، نرالی اس کی شوبھا	سجا، سنورا، دُھلا، اُجلا، سبھلا
کوئی پاپی ہمیشہ من میں مایا	کرے کوئی سدا، سیرا، پتیا
وہی پھولوں میں جو خوشبو بسائے	وہی جو ساتھ کانٹے بھی اگائے
وہی جو خالقِ حُسن و ادا ہے	وہی تو قابلِ حمد و ثنا ہے

حمد کے بعد واحد صاحب مثنوی ”شہ گلگوں قبا“ میں مدحتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطر بیزی کرتے ہیں۔ ”در نعتِ رسولِ کائنات و نبی موجودات صلی اللہ علیٰ روحہ و سلم“ عنوان کے تحت ۲۱ اشعار کو نعتِ رنگ سے مزین کیا ہے۔ جس میں نعت کے تقدس کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے فکر و فن کا جادو جگانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ واحد صاحب مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا کرنے کے لیے اس طرح فکر میں مبتلا ہیں کہ نعت کا آغاز کس طرح اور کہاں سے کیا جائے، کس منہ سے جنابِ احمدِ مجتبیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی مدحت و توصیف کی جائے۔ شعری اظہار میں کس قدر خوب صورتی سے کہتے ہیں کہ۔

ملے کوثر کی مجھ کو روشنائی

کروں! طوبیٰ کی شاخوں سے لکھائی

کوثر کی روشنائی اور طوبیٰ کی شاخوں سے نعتِ سرور صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کرنے کی سعادت بھی اگر مل گئی۔

تو پھر بھی کچھ نہ لکھ پاؤں ثنا میں

نہیں ہے اُن کے ربوں کی نہایت

نہیں ممکن بشر سے ان کی تعریف

خدا ہی کو ہے شایاں اُن کی توصیف

واحد صاحب نے گوشہٴ نعت میں سید ا لکوینین و الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم

کے اوصافِ جمیلہ کا بڑی ہی محتاط وارفستگی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے مثنوی کے

اصل موضوع ”شہ گلگوں قبا“ کی طرف قلم کے رُخ کو موڑا ہے۔ سب سے پہلے

سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شان میں ۱۳ اشعار پر مشتمل منقبت کا نذرانہ

عقیدت پیش کر کے اپنی غلامی کا ثبوت پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ مند

ہوئے ہیں۔ منقبت میں واحد صاحب نے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقامِ رفیع

کا بیان کیا ہے۔ آپ کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت، والدین کریمین اور برادرِ معظم رضی اللہ عنہم کا ذکر جمیل کرتے ہوئے آپ کے کمال، جمال، شجاعت، علم، تقویٰ، صورت، سیرت، فصاحت، بلاغت میں انفرادیت کا خوب صورت شعری اظہار یہ پیش کیا ہے۔

منقبت کے بعد ”امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا امتحانِ عالی شان اور فلسفہ شہادت“ عنوان کے تحت ۷ اشعار میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے یزید کے مطالبہ بیعت کے بعد امام عالی مقام رضی اللہ عنہ جیسے شیرِ جری کے انکار کے اسباب کا ذکر کیا ہے۔ یزید کی حکومت فریب و دجل، اخلاقی و سیاسی گراؤٹ، حدودِ حق کی پامالی اور غیر شرعی امور کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ بھلا ایسے شخص سے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کس طرح بیعت کر سکتے تھے۔ سچ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جو جتنا زیادہ مقبول ہوتا ہے اس کا اُتنا ہی کڑا اور سخت امتحان ہوتا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اس سچائی سے واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ راہِ حق میں مرنا حقیقتاً ابدی زندگی ہے۔ واحد صاحب تاریخ کی اس اہم اور نازک حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں۔

یہ تھا واضح امامِ باصفا پر کہ میں ہوں واقعی راہِ خدا پر
 ادھر تھی مصلحت اور دنیا داری ادھر حُسنِ یقین اور خاکساری
 یقین تھا یہ شہِ گلگوں قبا کو جنابِ فاطمہ کے دلربا کو
 کہ میں حق پہ ہوں! یہ بالکل بجا ہے رہِ حق میں تو مرنا بھی، بقا ہے

اور جب امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے یزید بے حیا کی بیعت سے انکار کر دیا تو پھر آپ پر حامیانِ یزید نے مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے۔ یہاں تک کہ صدرِ شکِ جنتِ مدینہ منورہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا رہنا مشکل ہو گیا۔

بالآخر مدینہ طیبہ سے آپ کو ہجرت کرنا پڑی۔ اگرچہ یہ جدائی قیامت سے کم نہیں تھی۔ لیکن امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرضی مولا مقدم تھی۔ صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی جیسے عاشق رسول و آل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر درد اور کرب ناک منظر کو ”امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ سے رحلت“ کے عنوان سے ۱۰ اشعار میں پیش کیا ہے۔ اشعار میں پنہاں المیہ لب ولہجہ یقینا قاری و سامع کو بھی غم انگیز کر دے گا۔

کہ باقی لوگ تو یاں آرہے ہیں جو گھر والے ہیں گھر سے جا رہے ہیں
گراں تھی یہ جدائی اصدقا پر سبھی عشاق پر، اہل ولا پر
قرارِ دل مدینہ سے ہے رخصت بہارِ جاں کی اب ہوتی ہے رحلت
مدینہ چھوڑنا آساں نہیں تھا یہ رشتہ توڑنا آساں نہیں تھا
جدائی کا یہ منظر بھی عجب تھا مگر کیا کیجیے! منظورِ رب تھا
بالآخر شاہ نکلے گھر سے رو کر مدینہ سے چلے ناشاد ہو کر

جب امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا قافلہ کربلا قدم رنجہ ہو گیا تو عاشورہ کی شب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے عزیزوں اور ہمراہیوں کو دعائے خیر دیتے ہوئے امن و امان اور عافیت کے ساتھ واپس جانے کی خوشی سے اجازت دے دی۔ شہ گلگلوں قبایدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کو سن کر آپ کے جاں نثار تڑپ اٹھے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو ہر گز تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ راہِ مولا میں ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ جامِ شہادت نوش کر کے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سرخروئی حاصل کریں گے۔ ۲۵ اشعار پر مشتمل ”شہ گلگلوں قبا“ کا گوشہ ”شبِ عاشور“ میں صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی نے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا کے مکالمے کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا

ہے۔ جاں نثاروں کی طرف سے محبت و عقیدت کے اظہارِ یے کے بعد عاشورہ کی شب کی منظر نگاری کرتے ہوئے واحد صاحب نے تصویریت کا حُسن کچھ اس طرح بکھیرا ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے وہ منظر نگاہوں کے سامنے ہے۔

غرض جب کہہ چکے اہل عقیدت وفا کی اور محبت کی حکایت
صفیں پھر بچھ گئیں بہر عبادت ہمہ مشغول در ذکر و تلاوت
ثناؤں میں ہی ساری رات گزری دعاؤں میں ہی ساری رات گزری
مثنوی ”شہ گلگوں قبا“ کا ۱۸ اشعار پر مبنی حصہ ”دسویں محرم کا

ہولناک دن اور رفقائے امام کی ثابت قدمی و اولوالعزمی“ میں واحد صاحب کے موئے قلم نے جاں نثارانِ شہ گلگوں قبارِ رضی اللہ عنہ کی تین دن سے سخت بھوک اور پیاس کے باوجود حق کی خاطر ثابت قدمی کا درد انگیز شعری اظہار کیا ہے۔

نہالِ فاطمی تشنہ دہاں تھے نرے فاقوں سے بے تاب و توں تھے
میسر آب کا جُرعہ نہیں تھا بھلا جُرعہ تو کیا، قطرہ نہیں تھا
لبِ آب ان کو تھی پانی سے دوری مسلسل تین دن سے ناصبوری

اس قدر مصائب و آلام کے باوجود راہِ حق کے غازیوں کا شوقِ شہادت قابلِ دید تھا۔ امام عالی مقام شہیدِ بلاشاہ گلگوں قبارِ رضی اللہ عنہ کے جاں نثاروں نے جس استقلال اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ کربلا والوں نے اپنے گھر کو لٹانا گوارا کر کے ناموسِ اسلام کی حفاظت فرمائی۔

اس کے بعد مثنوی صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی کا قلم اب مثنوی ”شہ گلگوں قبا“ کے نقطہ عروج کی طرف بڑھتے ہوئے ”عمر بن سعد کا جنگ کے لیے فوج لے کر آنا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا اتمامِ حجت“ کے تحت ۲۵ اشعار رقم کرتا ہے۔ اس گوشے میں واحد صاحب نے واقعات کو بیان کرنے میں

ایسی ہر روایت سے گریز کیا ہے جو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ ہر مقام کی طرح یہاں بھی شعریت کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا یزید فوج کو اتمام حجت کے لیے خطبہ دینے، عمر بن سعد کے خطبہ سن کر تیر چلانے، حضرات حُر و مصعب کی شہادت، اور شہ گلگوں قبائر رضی اللہ عنہ کے دیگر ساتھیوں کی شہادت کو بیان کرنے کے بعد واحد صاحب نے ۱۲ اشعار پر مشتمل حصے ”شہادتِ علی اکبر رضی اللہ عنہ“ میں شبیہ پیمبر فرزند امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کو فنی محاسن سے مملو شعری پیکر میں بڑی چابک دستی سے ڈھالا ہے۔

مثنوی ’شہ گلگوں قبا‘ کا ۳۲ اشعار پر مشتمل مرکزی اظہاریہ ”قیامتِ صغریٰ۔ شہ گلگوں قبا جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت“ میں صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی کے تخیل کی پرواز نے بڑا پُر تاثیر اور الم ناک انداز اختیار کیا ہے۔ ایک ایک کر کے تمام جاں نثاروں کی شہادت کے بعد تنہا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ رہ جاتے ہیں۔ اس موڑ پر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بھی میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت چاہی لیکن امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

کہا شبیر نے میرے سمن برا! مرے جانی، مرے مہ رُو و دلبر!
تمہیں دیتا نہیں میں اب اجازت تمہارے ذمہ ہے سب کی حفاظت
اب مخدراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہن سے امام عالی مقام شہ گلگوں قبا
رضی اللہ عنہ کی فرقت و رخصت ہے۔ بڑا غم آگیاں منظر ہے۔ نانا جان سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سر پر باندھے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار کی
طرف جا رہے ہیں، چند شعر دیکھیں اور واحد صاحب کے حُسنِ بیان کو داد دیں۔

عمامہ مصطفیٰ کا سر پہ رکھا
 چلے خیمہ سے سوے جُنْدِ اعدا
 کیا حضرت نے پھر اتمامِ حجت
 دیا خطبہ بصد سوز و محبت
 مگر اعدا نے سُن کر ان سنی کی
 بس اُن کو قتل کرنے کی پڑی تھی
 غرض اک دوزخی نے ابتدا کی
 اُسی دم آپ نے گردن اُڑادی
 ہوئی پھر حملہ آور فوج ساری
 ہزاروں میں تھے وہ گستاخ، ناری

ایسے ہوش رُبا عالم میں امامِ عالی مقام شہِ گلگوں قبارِ رضی اللہ عنہ نے وہ
 ہمت و جواں مردی دکھائی کہ یزیدی لشکر پر ہیبت طاری ہو گئی۔ حضرت امامِ عالی
 مقام رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کی صفوں کو الٹ کر رکھ دیا۔ ہر طرف سے اعدا
 نے حملہ کیا۔ قیامتِ صغریٰ کا وہ پُرورد منظر کیسے بیان ہو سکتا ہے۔ واحد صاحب
 کے قلم نے جس کربیہ آہنگ سے شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے وفا فروز
 واقعہ کو شعری اسلوب میں پیش کیا ہے وہ الم انگیز تو ہے ہی ایجاز و
 تراکیب، روزمرہ، پیکر تراشی، الفاظ کے مناسب رکھ رکھاؤ جیسے شعری حُسن سے
 آراستہ بھی ہے۔

وہ تلواروں، کبھی تیروں کی بارش
 کبھی خنجر، کبھی نیزوں کی بارش
 لگا اک تیر، ہاے! اُس جبین پر
 جو تھی بوسہ گہ محبوبِ داور
 بہت گھائل تھا اب وہ نوری پیکر
 تِنِ اقدس، وہ جسمِ ناز پرور
 اتر گھوڑے سے آپ آئے زمیں پر
 عجب منظر تھا وہ، اللہ اکبر
 لہو جاری تھا جسمِ نازین سے
 اُدھر دشمن کے حملے ہو رہے تھے
 نہ تھی اب تاب حضرت میں بظاہر
 اسی پر بس نہ کی اعدا نے، ہاے
 عدو خولی تھا یا شبلیٰ لعین تھا
 شہید ہو کر زمیں پر گر پڑے پھر
 سرِ اقدس جدا کرنے کو دوڑے
 سرِ اقدس کو جس نے تن سے کاٹا

عدو نے جب گلا حضرت کا کاٹا جہاں کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا
 قیامت تک نہ ہو گا ظلم ایسا نہ ہو گا اس طرح کا حشر برپا
 امامِ پاک نے کیسی وفا کی کہ اپنی جان بھی نذرِ خدا کی
 قیامتِ صغریٰ کے بیان کے بعد واحد صاحب نے ۱۵ اشعار میں ”امامِ
 عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے مناظر“ کا بیان
 کیا ہے۔ مثنوی ”شہِ گلگوں قبا“ کا یہ گوشہ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی فضیلت
 کا اظہار یہ ہونے کے ساتھ ساتھ واحد صاحب کی عربی دانی پر کمال دسترس کو
 بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس گوشے میں آپ نے اردو اشعار کے جلو میں عربی شعر بھی
 رقم کیا ہے۔

واحد صاحب نے مثنوی کے خاتمہ سے قبل ۱۵ اشعار پر ”ہدیہ
 سلام۔ بحضور امام عالی مقام شہِ گلگوں قبا رضی اللہ رب الارض والسماء“ پیش
 کیا ہے۔ جو واحد صاحب کے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے تئیں عقیدت و محبت
 کے مخلصانہ رویوں کا غماز ہے۔ واحد صاحب نے محض پانچ اشعار میں امام عالی مقام
 رضی اللہ عنہ کے فضائل کثیرہ کو بڑے اجمال کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے
 گویا کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہو۔

سلام اُس پیکرِ صبر و رضا پر	سلام اُس عظمتِ مہر و وفا پر
سلام اُس شانِ ایماں، شانِ دین پر	سلام اُس جانِ ایقان و یقین پر
سلام اُس منبعِ جرأت پہ ہر دم	سلام اُس محسنِ اُمت پہ ہر دم
سلام اُس پر کہ جس نے گھر لٹا کر	کیا اسلام کے جھنڈے کو برتر
شہِ گلگوں قبا، جانِ تمنا	حسینِ باصفا جانِ تمنا

مثنوی ”شہِ گلگوں قبا“ کے اختتام پر صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی

نے ۹ شعر ”در مناجات بہ در گاہِ مجیب الدعوات“ قلم بند کر کے بارگاہِ خداوندی میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے نبی کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ و فاطمۃ الزہراء، آل نبی، شہ گلگوں قبار ضی اللہ عنہم اور جملہ اولیائے کرام کے وسیلے سے دنیوی و اخروی کامیابی کی دعا مانگی ہے۔ اس دعا پر آمین کہتے ہوئے حضرت اقدس صاحب زادہ ابوالحسن واحد رضوی مدظلہ کو فکر و فن کی پختگی، جذبہ و فن کی وسعت، خیالات کی سچائی اور درد و کرب سے مملو ایسی پُراثر اور نفیس مثنوی قلم بند کرنے پر عمیق دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کریم حضرت کا سایہ ہم پر دراز تر فرمائے (آمین)۔

(ڈاکٹر) محمد حسین مُشاہد رضوی

سروے نمبر ۳۹ پلاٹ نمبر ۱۴ نیا اسلام پورہ

مالیگاؤں (ناسک)،

۶ صفر المنظر ۱۴۳۶ھ / ۳۰ نومبر ۲۰۱۴ء، بروز اتوار

09420230235 / 09021761740

mushahidrazvi79@gmail.com

مثنوی

”شہ گلگوں قبا“

تصنیف

صاحبزادہ پیر ابوالحسن واحد رضوی

کتاب محل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اَغازِ مثنوی ”شہِ گلگونِ قبا“

حَمْدِ خَالِقِ حَسَنِ وَجَمَالِ

جَلِّ جَلالہِ وَعَمِّ نَوالہِ

لبوں پر حمد اُس کی جلوہ گر ہے
 وہی جو خالقِ شام و سحر ہے
 وہی جو حاکمِ شمس و قمر ہے
 وہی جو مالکِ ہر خشک و تر ہے
 خدائی جس کی ظاہر اور عیاں ہے
 ثنا میں جس کی ہر شے تر زباں ہے
 وہی جس نے بنائے پھول چہرے
 اداؤں کے سجائے جن پہ سہرے

عجب انسان کی صورت بنائی
 عجب مائی سے یہ صورت بنائی
 کوئی سندر ، نرالی اُس کی شوبھا
 سجا ، سنورا ، دُھلا ، اُجلا ، سچلا
 نشیلا ، مد بھرا ، کوئی ہے چنچل
 کوئی نازک ، ملائم ، نرم ، کومل
 کسی کا چاند سا مکھڑا نکھرتا
 کسی پہ جائے بلہاری سندر تا
 کسی کو مد بھری آنکھیں عطا کیں
 کہ بھر دیں شوخیاں جن میں بلا کیں
 کسی کو لب دیئے لعل یمن سے
 کسی کے دانت ہیں درّ عدن سے

کسی کے بول تیکھے ، کوئی مصری
 کوئی من میت ، ساجن ، کوئی بیری
 نرالی اُس نے یہ دنیا بنائی
 انوکھی طرز پر ہر شے سجائی
 کوئی پاپی ہمیشہ من میں مایا
 کرے کوئی سدا ، سیوا ، تپسیا
 کوئی دھنوان ہے ، کوئی ہے نردھن
 کوئی بھکشک کہ جیون ہے اجیرن
 وہی پھولوں میں خوشبو جو بسائے
 وہی جو ساتھ کانٹے بھی اُگائے
 وہی بخشے سکوں بھی ، راحتیں بھی
 کرے سب دور ، سب کی کلفتیں بھی

سلائےِ اطلس و کمنخاب میں بھی
 مٹائے خاک میں بھی آب میں بھی
 اسی کی بادشاہی ہر طرف ہے
 اُسے زیبا ہر اک عز و شرف ہے
 وہی ہے خالق و رزاقِ عالم
 وہی ہے سب سے اکبر اور اعظم
 وہی جو خالقِ حسن و ادا ہے
 وہی تو قابلِ حمد و ثنا ہے

در نعتِ رسولِ کائنات و نبی موجودات

صلی اللہ علیٰ روحہ وسلم

کہاں سے اور کیسے ابتدا ہو
 کہاں فکرِ رسا کی انتہا ہو

عطا لفظوں کو کیسے ہو طہارت
 ہو کس منہ سے بیاں توصیف و مدحت
 ملے کوثر کی مجھ کو روشنائی
 کروں! طوبیٰ کی شاخوں سے لکھائی
 تو پھر بھی کچھ نہ لکھ پاؤں ثنا میں
 قلم عاجز ثنائے مصطفیٰ میں
 وہی شمس الضحیٰ ، بدر الدجیٰ ہیں
 وہی صدر العلیٰ ، نور الہدیٰ ہیں
 وہی سب سے علیٰ ، سب سے ورا ہیں
 وہی خیر النسب ، خیر الوریٰ ہیں
 وہی تو رحمۃ للعالمین ہیں
 جو محشر میں شفیع المذنبین ہیں

امام المرسلین ، شان رسالت
 خدا نے ختم کی جن پر نبوت
 جنہیں بخشی امامت انبیاء کی
 عطا کی حکمرانی دوسرا کی
 نظیر ان کی نہیں حسن شیم میں
 مثال ان کی نہیں جود و کرم میں
 بدن جن کا مقدس اور معطر
 وہ رخ جن کا مطہر اور منور
 وہی جو زینت بیت حرم ہیں
 وہی جو مرجع جملہ اُمم ہیں
 وہ جبریل امیں جن کے گداگر
 سبھی آدم سے عیسیٰ تک، ثناگر

وہی مطلوب و مقصودِ خدا جو
 گئے فوراً سرِ عرشِ علا جو
 عطا جن کو ہوئی رفعتِ دنا کی
 جنہیں بخشش گئی قربتِ بلا کی
 صدائے اُذُنِ مِیْنِی کے سزاوار
 جمالِ صنعتِ حق کے وہ شہکار
 غریبوں کے ، یتیموں کے وہ حامی
 برابر جن کے آگے خاص و عامی
 نہیں ہے اُن کے رُتبوں کی نہایت
 یہی ہے حاصلِ فہم و بصیرت
 نہیں ممکن بشر سے اُن کی تعریف
 خدا ہی کو ہے ثنایاں اُن کی توصیف

خدا کی بس جہاں تک ہے خدائی
 وہاں تک مصطفیٰ کی مصطفائی
 ہزاروں اُن پہ تسلیم و تحیت
 بصدقِ دل ، بعدِ اِخلاصِ نیت

شہِ گلگوں قبا

در منقبتِ شہزادہ گلگوں قبا، راکبِ دوشِ مصطفیٰ ابنِ فاطمہ و مرتضیٰ
 امامِ عالی مقامِ جنابِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ و سلام اللہ علیہ

کرے مدحت کی جرأت کیسے خامہ
 رقم کیسے کرے توصیفِ نامہ
 ہو کیسے ابتدائے مدحِ خوانی
 ہو کیسے افتتاحِ خوشِ بیانی

قلم کو قوت و یارا نہیں ہے
 خرف کے سامنے دُرّ شمشیں ہے
 عطا ہو گر لبوں کو خوش مقالی
 تو لوں پھر نام آں شبیر عالی
 رسول اللہ کے سببِ معظم
 وہ اہل بیت کے فردِ مکرم
 وہ ابنِ فاطمہؑ ، وہ جانِ حیدر
 حسن کے لاڈلے ، پیارے برادر
 شہِ گلگوں قبا ، ماہِ تمامے
 نگارِ خوش ادا و خوش خرامے
 گلستانِ جنان کے تازہ تر گل
 وہ جانِ مصطفیٰ و سیدِ الکلم

جمالِ واضحی اُن سے ہویدا
 کمالِ مرتضیٰ اُن سے ہویدا
 تصدُّقِ خوش بیانی پر فصاحت
 فدا خطبوں پہ سو جاں سے بلاغت
 ہر اک خو میں ہر اک خصلت میں تنہا
 شجاعت ، علم اور تقویٰ میں یکتا
 وہ صورت اور سیرت میں یگانہ
 نظیر اُن کی نہ پائے گا زمانہ
 سلام اُس منبعِ صبر و رضا پر
 شہیدِ حق ، شہیدِ کربلا پر

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا امتحانِ عالی شان اور فلسفہ شہادت

کہا جاتا ہے جتنی ہو فضیلت
اُسی درجہ کی آتی ہے مصیبت
بڑوں کا امتحاں ہوتا بڑا ہے
اور ایسا امتحاں ہوتا کڑا ہے
یہ ہے تاریخ میں بالکل ہی واضح
ہے ہر جزو بھی اور کل بھی واضح
یزیدوں نے کہ جب چاہی تھی بیعت
شہ گلوں قبا نے کی مذمت

یہ فرمایا تھا سب سے پہلے
 کہا یہ نورِ چشم مرتضیٰ نے
 نہیں منظور مجھ کو یہ دغا سب
 فریب و دجل و کذب اور یہ جفا سب
 یہ شیطان کی دل و جاں سے اطاعت
 یزیدِ مصلحت ہیں کی حکومت
 معاشرتی ، سیاسی یہ گراوٹ
 رَوَا و نَارَوَا کی یہ ملاوٹ
 حدودِ حق کی پامالی تو دیکھو!
 یہ ظلم و جور و بد حالی تو دیکھو!
 کروں اُس شخص کی میں دل سے بیعت
 نہیں دیتی اجازت مجھ کو غیرت

یہ واضح تھا امامِ باصفا پر
 کہ میں ہوں واقعی راہِ ہُدا پر
 ادھر تھی مصلحت اور دنیا داری
 ادھر حسنِ یقین اور خاکساری
 یقین تھا یہ شہِ گلگوں قبا کو
 جنابِ فاطمہ کے دلربا کو
 کہ میں حق پہ ہوں! یہ بالکل بجا ہے
 رہِ حق میں تو مرنا بھی، بقا ہے
 یزید بے حیا کو جب نہ مانا
 تو مشکل ہو گیا طیبہ میں رہنا
 اگرچہ یہ جدائی تھی قیامت
 حقیقت میں یہ تھی منظورِ قدرت

کہ ملنی تھی جداگانہ فضیلت
عطا ہجرت کی ہونی تھی سعادت

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ سے رحلت

بہت مشکل تھی طیبہ سے جدائی

کہ تھی شہرِ تمنا سے جدائی

تصور اُس گھڑی کا ہے بھیانک

نکلنا پڑ گیا ہائے! اچانک

یہ رہ رہ کے خیال آتا تھا اکثر

زاں پر یہ مقال آتا تھا اکثر

کہ باقی لوگ تو یاں آ رہے ہیں

جو گھر والے ہیں گھر سے جا رہے ہیں

گراں تھی یہ جدائی ، اصدقا پر
 سبھی عشاق پر ، اہل ولا پر
 قرارِ دل ، مدینہ سے ہے رخصت
 بہارِ جاں کی اب ہوتی ہے رحلت
 مدینہ چھوڑنا آساں نہیں تھا
 یہ رشتہ توڑنا آساں نہیں تھا
 تھی خود تقدیر حیراں اس فضا پر
 شہِ گلگوں قبا کی اس ادا پر
 جدائی کا یہ منظر بھی عجب تھا
 مگر کیا کیجیے! منظور ربّ تھا
 بالآخر شاہ نکلے گھر سے رو کر
 مدینہ سے چلے ناشاد ہو کر

شب عاشور

شب عاشور کو حضرتؑ نے سب سے
 کہا شفقت سے اور مہر و ادب سے
 جزائے خیر سے سولی نوازے
 اجازت ہے ، چلے جاؤ ادھر سے
 اندھیرے میں نکل جاؤ یہاں سے
 بخیر و عافیت ، امن و اماں سے
 خوشی سے دے رہا ہوں میں اجازت
 نہ ہوگی تم سے کوئی بھی شکایت
 یزیدی جتنا لشکر بھی یہاں ہے
 انھیں کوئی غرض تم سے کہاں ہے؟

اُنھیں مطلب مری ہی جان سے ہے
 مری ہی شان ، میری آن سے ہے
 تڑپ اُٹھے یہ سن کر اہلِ اُلفت
 وہ جُملہ اہلِ دل ، اہلِ محبت
 کہا عباس نے خطبہ یہ سن کر
 یہ ہو سکتا نہیں ، اے میرے سرور!
 خدا ہم کو نہ ایسا دن دکھائے
 جدائی کا نہ ہر گز لمحہ آئے
 کہا اورں نے بھی یہ باصراحت
 ہمیں لگتا ہے یوں جانا ، قیامت
 ادھر مسلم کے بول اُٹھے اقارب
 تجھے بہر دشمنوں مثلِ عقارب

ہمارے جان و مال ، اولاد صدقے
 بصدقِ دل بجانِ شاد ، صدقے
 یہاں سے ہم بھی جائیں گے نہ ہرگز
 کبھی بھی ساتھ چھوڑیں گے نہ ہرگز
 جنابِ مسلم ابنِ عوسجہ بھی
 اسی دم بول اُٹھے: میرے ہادی!
 نہ چھوڑوں گا کبھی حضرتؐ! کو تنہا
 لڑوں گا راہِ حق میں ، میں بھی مولیٰ!
 مسلسل ہاتھ میں تلوار لے کر
 کروں گا! قتلِ دشمن کو برابر
 کبھی پھینکوں گا پتھر اور بھالے
 یہاں تک کہ مجھے بھی موت آئے

اسی لمحے کہا یہ سعد نے بھی
 قسم اللہ کی رجعت نہ ہوگی
 کریں گر، قتل، ستر بار، مجھ کو
 جلائیں اور کر دیں زار مجھ کو
 کریں ٹکڑے کہ بھونیں مجھ کو حضرت!
 نہ چھوڑوں گا میں ہرگز یہ رفاقت
 زبیر باصفا نے بھی کہا یوں
 زہے قسمت، زہے بخت ہمایوں
 اگر آرے سے میں چیرا بھی جاؤں!
 رفاقت سے میں پھر بھی منہ نہ موڑوں!
 غرض جب کہہ چکے اہل عقیدت
 وفا کی اور محبت کی حکایت

صفیں پھر بچھ گئیں بہر عبادت
 ہمہ مشغول در ذکر و تلاوت
 ثناؤں میں ہی ساری رات گزری
 دعاؤں میں ہی ساری رات گزری

دسویں محرم کا ہولناک دن
 اور رُفقائے امام کی ثابت قدمی و اولوالعزمی

عجب دسویں کا تھا محشر نما دن
 وہ ظلم و جور کا ہیبت نما دن
 غریبانِ وطن کی وہ مصیبت
 وہ ضعف و ناتوانی اور نقاہت

نہالِ فاطمی تشنہ وہاں تھے
 نرے فاقوں سے بے تاب و تو اس تھے
 میسر آب کا جرّہ نہیں تھا
 بھلا جرّہ تو کیا، قطرہ نہیں تھا
 لبِ آب اُن کو تھی پانی سے دوری
 مسلسل تین دن سے تھی صبوری
 سرِ چشمہ تیمم سے نمازیں
 ذرا دیکھے تو کوئی یہ نیازیں
 ستم ایسا فلک نے بھی نہ دیکھا
 کسی پر امتحاں ایسا نہ آیا
 مگر ہمت تو دیکھو! عاشقوں کی
 رہِ حق کے شہیدوں، غازیوں کی

ڈرے ہرگز نہ طوفانِ بلا سے
 وہ اہل عزم وہ بھوکے پیاسے
 کہا جاتا رہا بیعت کا ہر دم
 مگر مانے نہیں شاہِ مکرمؐ
 دل شبیرؐ میں دنیا کہاں تھی
 کہ اس کی بے ثباتی سب عیاں تھی
 وہ جن پہ منکشف سرِّ حقیقی
 اُنھیں دنیا کی صورت کب لبھاتی
 لگائی راحتِ دنیا کو ٹھوکر
 نہ دیکھا دولتِ دنیا کو یکسر
 سہی پھر خوش دلی سے ہر مصیبت
 بلاؤں ، آفتوں کی وہ قیامت

کیا ہر ہر بلا کا خیر مقدم
 نہ کی بیعت ، رہے باعزمِ محکم
 سر مُو فرق ہمت میں نہ آیا
 عجب جرأت کا نظارہ دکھایا
 گوارا کر لیا گھر کو لٹانا
 گوارا کر لیا خوں کو بہانا
 مگر اسلام کی عزت بچائی
 سبھی کو اپنی دکھلا دی بڑائی

عمر بن سعد کا جنگ کے لیے فوج لے کر آنا
اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا اتمامِ حجت

عمر بن سعد ، وہ دشمنِ خدا کا

بہت تڑکے ہی لے کر فوج نکلا

ہزاروں تازہ دم فوجی جواں تھے

لیے ہاتھوں میں سب تیغ و سناں تھے

لگا کہنے کہ بس اب جنگ ہوگی

سنو! تم پر زمیں اب تنگ ہوگی

ادھر شہزادہ خیرالوریٰ نے

گلِ باغِ علی مرتضیٰ نے

بطور ، اتمامِ حجت کے کہا یہ

یزیدی فوج کو خطبہ دیا یہ

تمہیں کچھ پاس ہے میرے نسب کا؟
 ہے اندازہ تمہیں میرے حسب کا؟
 مرے نانا محمد مصطفیٰ ہیں
 مرے بابا علی شیرِ خدا ہیں
 میں فرزندِ جنابِ فاطمہ ہوں!
 میں دلہندِ جنابِ مجتبیٰ ہوں!
 ذرا منہ تو گریبانوں میں ڈالو!
 صدا اندر سے کیا آتی ہے سن لو!
 مرے رہ کے بنے کیوں خار ہو تم؟
 مرے کیوں درپے آزار ہو تم؟
 خرد سے کام لو! نکلو! جنوں سے
 بری تم ہو سکو گے کیسے خوں سے؟

مرا وارث، مرا مولیٰ ہے سن لو!
 مرا حامی، مرا داتا ہے سن لو!
 اُدھر اہل نبوت نے سنا جب
 تو خیمے میں لگے کرنے بکا سب
 سنا حضرت نے خیمے سے جو گریہ
 تسلی کے لیے اکبر کو بھیجا
 علی اکبر بھی تھے، عباس بھی تھے
 وہ دونوں پھول، گلزارِ علی کے
 غرض جب ہو چکا اتمامِ حجت
 شہِ شبیر نے کر دی وضاحت
 عمر بن سعد نے سن کر یہ خطبہ
 اسی دم اس طرف اک تیر پھینکا

فضاؤں میں بلند اُس نے صدا کی
 گواہ رہنا کہ میں نے ابتدا کی
 بس اتنا تھا کہ پھر اعدا نے مل کر
 مظالم کا کیا آغاز فرفر
 ہوا اب گرم بازارِ شجاعت
 جوانوں نے دکھائی پھر بسالت
 جدھر بھی پھرتے رخ وہ دلاور
 الٹ دیتے صفیں اعدا کی یکسر
 نرالا تھا یہ منظر اور جدا تھا
 کہ چرخ پیر نے دیکھا نہیں تھا
 صف اعدا سے وہ حُرّ کا نکلنا
 وہ پھر مصعبؓ کا بھی گردن کٹانا

اُدھر اعدا نے دیکھا جب یہ منظر
 اچانک ہو گئے پھر حملہ آور
 شہ گلوں قبا کے سب سپاہی
 فدا ہو کے، ہوئے جنت کے راہی

شہادتِ علی اکبر رضی اللہ عنہ

بنی ہاشم کی اب آئی ہے نوبت
 انھیں پینا ہے اب جامِ شہادت
 تو آئے سب سے پہلے وہ سمن بر
 علی اکبر وہ ہم شکلِ پیمبر
 اٹھارہ سال کے رشکِ قمر وہ
 امام پاک کے لختِ جگر وہ

وہ فرزندِ جنابِ شہربانو
 وہ دلہندِ جنابِ شہربانو
 لڑے اعدا سے ، دی دادِ شجاعت
 بالآخر پی لیا جامِ شہادت
 شہادت یہ عجب محشر نما تھی
 یہ ظلم و جور کی اک انتہا تھی
 کہا راوی نے خیمے سے اسی دم
 بصد آہ و فغان و چشم پر نم
 بڑی تیزی سے نکلی ایک ہستی
 لبوں پر جس کے گریہ اور بکا تھی
 یہ تھیں بنت علی و جانِ زہرا
 یہ تھیں زینب سلام اللہ علیہا

عجب ناگفتہ بہ تھی اُن کی حالت
 بھتیجے کی شہادت تھی قیامت
 شہ گلوں قبا نے اُن کو تھاما
 بڑی مشکل سے خیمے جا کے چھوڑا
 جواں اکبر کی پھر میت اٹھائی
 ادھر خیمے کے آگے جا کے رکھی
 عجب آہ و بکا کا شور اٹھا
 کبھی وَاْمُصْطَفٰی بُولِیْسَ، کبھی پھر وَاَعْلِیَّآ
 علیؑ کا لاڈلا تھا خاک و خوں میں
 سلونا، سانولا تھا خاک و خوں میں

قیامتِ صغریٰ

شہ گلگلوں قبا جنابِ امام حسین رضی اللہ عنہ

کی شہادت

بڑے سے لے کے بچے تک فدا تھے
 عجب وہ پیکرِ صبر و رضا تھے
 فدا جب ہو چکے حضرتؑ کے اصحاب
 نرالی طرز کے وہ سارے احباب
 اعزہ ، اقربا ، خادم ، موالی
 ہمہ اربابِ ہمت ، عزمِ عالی
 سبھی جب پی چکے جامِ شہادت
 سبھی جب ہو چکے واصل بہ جنت

ابھی وہ وقتِ نازک آ گیا تھا
 ابھی وہ مرحلہ تھا آن پہنچا
 ابھی ہو کون؟ جو حضرت کو روکے
 ابو بکر و عمر تو جا چکے تھے
 جنابِ عون و عثمان اور جعفر
 یہ پہلے کر چکے جانیں پچھا اور
 جواں اکبر بھی اب تو سو گئے تھے
 علی اصغر بھی قرباں ہو گئے تھے
 ابھی بس رہ گئے شبیر تنہا
 اور اک فرزند زین العابدین تھا
 علی سجاد نے چاہی اجازت
 مجھے بھی چاہیے جامِ شہادت

کہا شبیر نے میرے سمبر!
 مرے جانی، مرے مہ رُو و دلبر!
 تمہیں دیتا نہیں میں اب اجازت
 تمہارے ذمہ ہے سب کی حفاظت
 غرض فرقت کا لمحہ آگیا تھا
 ہوئے تیار اب شبیر تنہا
 عمادہ مصطفیٰ کا سر پہ رکھا
 چلے خیمہ سے سوئے جُنْدِ اَعْدَا
 کیا حضرت نے پھر اتمامِ حجت
 دیا خطبہ بصد سوز و محبت
 مگر اعدا نے سن کر اُن سنی کی
 بس اُن کو قتل کرنے کی پڑی تھی

غرض اک دوزخی نے ابتدا کی
 اسی دم آپ نے گردن اڑا دی
 ہوئی پھر حملہ آور فوج ساری
 ہزاروں میں تھے وہ گستاخ، ناری
 شہ والا نے وہ جرأت دکھائی
 کہ دشمن کو ہوئی مشکل رہائی
 اُلٹ ڈالیں صفیں دشمن کی یکسر
 لگا کے نعرۃ اللہ اکبر
 ادھر اعدا نے جب منظر یہ دیکھا
 کیا ہر سمت سے حضرت پہ حملہ
 وہ تلواروں، کبھی تیروں کی بارش
 کبھی خنجر، کبھی نیزوں کی بارش

لگا اک تیر ، ہائے ، اُس جبیں پر
 جو تھی بوسہ گہ محبوبِ داور
 بہت گھائل تھا اب وہ نوری پیکر
 تنِ اقدس ، وہ جسم ناز پرور
 اتر گھوڑے سے آپ آئے زمین پر
 عجب منظر تھا وہ ، اللہ اکبر
 لہو جاری تھا جسم نازنیں سے
 ادھر دشمن کے حملے ہو رہے تھے
 نہ تھی اب تاب حضرت میں بظاہر
 شہید حق زمیں پر گر پڑے پھر

(انا لله وانا اليه راجعون) اعلیٰ اللہ تعالیٰ مکانہ واسکنہ بحبوبة

جنانہ وامطر علیہ شأبیب رحمتہ ورضوانہ۔

اسی پر بس نہ کی اعدا نے ، ہائے
 سرِ اقدس جدا کرنے کو دوڑے
 عدو خولی تھا یا شبلی لعین تھا
 سرِ اقدس کو جس نے تن سے کاٹا
 عدو نے جب گلا حضرت کا کاٹا
 جہاں کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا
 قیامت تک نہ ہوگا ظلم ایسا
 نہ ہوگا اس طرح کا حشر برپا
 امام پاک نے کیسی وفا کی
 کہ اپنی جان بھی نذرِ خدا کی

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی
شہادت کے بعد کے مناظر

(۱)

مکمل جب ہوا قصہ وفا کا
پیا جب جام تسلیم و رضا کا
رہ حق میں جب اپنی جاں لٹا دی
اُولو العزمی سے جب گردن کٹا دی
تو ہر سو شور اٹھا اس جفا پر
فلک حیراں تھا اُس دن کربلا پر
قیامت کا عجب منظر بپا تھا
فلک سے خون برسایا جا رہا تھا

ہر اک سو نوحہ خوانی اور زاری
 لب جنات پر بھی تھا یہ جاری
 ”آلا یا عین فابتہلی بجہد
 ومن یکی علی الشہداء بعدی
 علی رھط تقودھم المنایا
 الی متجبر فی ملک عہدی“

(۲)

سر اقدس کو نیزے پر اٹھا کر
 لیے جب جا رہے تھے وہ شمر
 ہوئی اک کھف کی آیت تلاوت
 کہ تھی جس میں یہ تصریح و صراحت

”عجب تھے غار والے اک نشانی“
 ہے لکھی جن کی قرآن میں کہانی
 سر اقدس نے فوراً یہ صدا دی
 کہ اَعْجَبَ مِنْهُمْ قَتْلِي وَ حَمَلِي

(۳)

سر اقدس لیے جب جا رہے تھے
 وہ دنیا کی متاع و زر کے پیاسے
 رُکے جب ایک منزل پر تو دیکھا
 قلم لوہے کا سب نے آشکارا
 جو لہراتا ہوا آیا ہوا میں
 لکھا اک شعر خوں سے یوں فضا میں

أَتَرْجُوْ أُمَّةً قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

ہدیہ سلام

بِحضور امام عالی مقام شہ گنگوں قبا
رضی عنہ اللہ رب الارض والسماء

سلام اُس پیکرِ صبر و رضا پر

سلام اُس عظمتِ مہر و وفا پر

سلام اُس شانِ ایماں ، شانِ دین پر

سلام اس جانِ ایقان و یقین پر

سلام اُس منبعِ جرأت پہ ہر دم
 سلام اُس محسنِ اُمت پہ ہر دم
 سلام اُس پر کہ جس نے گھر لٹا کر
 کیا اسلام کے جھنڈے کو برتر
 شہِ گلگوں قبا ، جانِ تمنا
 حسینِ باصفا شانِ تمنا

خاتمہ

در مناجات بہ در گاہِ مجیب الدعوات
 مرے دل کو عطا نور و صفا کر!
 زباں کو قابلِ ذکر و دعا کر!

محبت سے مجھے معمور کر دے!
 خصوصی لطف سے مسرور کر دے!
 عطا کر دولتِ حسنِ یقین بھی
 بنا دے دین کا خادم، امیں بھی
 ترے ہاں تو کمی کوئی نہیں ہے
 تو دیتا ہے مجھے کامل یقین ہے
 نہ رُسوا عرصہ محشر میں کرنا!
 مرا پردہ، مرے ستار! رکھنا
 تجھے ہے واسطہ شاہِ دنا کا
 جنابِ مصطفیٰ کا، مجتبیٰ کا
 تجھے ہے واسطہ شیرِ خدا کا
 جنابِ مرتضیٰ کا، فاطمہ کا

تجھے ہے واسطہ آلِ نبی کا
 شہِ گلگوں قبا کا، ہر ولی کا
 کرم بر واحدِ عاصی و آثم
 ندارد جز تو دیگر ہیچ عاصم

تم المشوی فله الحمد والصلوة والسلام علی سید الثقلین نبی
 الحرمین جد الحسن والحسین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

خاکسار ابوالحسن واحد رضوی کان اللہ له

خادم آستانہ عالیہ فیض آباد شریف،

محمد نگر، اٹک پنجاب پاکستان



میں سے
سیدنا محمد

حضرت الامین

میں
شہیدی سے مگر

انصاف
صداقت سے

کلمہ

